اللہ جل جلالہ

اور

اِنسان

تالیف

حافظ مُبشر حسین لاہوری

بسم اللہ الرحمن الرحیم
اللہ
جل جلالہ
اور
اِنسان
تالیف
حافظ مبشر حسین لاہوری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نام کتاب ---------- **اللہ اور انسان**

مصنف ---------- حافظ مبشر حسین لاہوری

تاریخ اشاعت -------- دسمبر 2004ء

تعداد ---------- 1000

قیمت ---------- 90 روپے

کمپوزنگ ---------- ندیم شکیل

سرورق ---------- امجد

ہمارے اسٹاکسٹ : لاہور ○ نعمانی کتب خانہ ○ مکتبہ قدوسیہ ○ اسلامی اکادمی ○ کتاب سرائے اردو بازار [○ معارف اسلامی، منشورات منصورہ] **گوجرانوالہ** مکتبہ نعمانیہ اردو بازار **سیالکوٹ** الفرقان اسلامک سنٹر بانو بازار **فیصل آباد** مکتبہ اسلامیہ بیرون امین پور بازار کوتوالی روڈ **کراچی** ○ قدیمی کتب خانہ آرام باغ ○ علمی کتاب گھر اردو بازار ○ مکتبہ نورحرم ۶۰ نعمان سنٹر راشد منہاس روڈ گلشن اقبال **راولپنڈی** ○ کتب خانہ رشیدیہ مدینہ کلاتھ مارکیٹ راجہ بازار ○ بک سنٹر حیدر روڈ صدر ○ النور اسلامک بکس ۴۵ سنگا پور پلازہ کینٹ **اسلام آباد** المسعود اسلامک بک شاپ F8 مرکز **پشاور** معراج کتب خانہ

ناشر: مبشر اکیڈمی لاہور

E-Mail: mubashir_lahori@hotmail.com PH: 0300 4562378

آئینہ کتاب

باب 1

اللہ ﷻ ...... ایک تعارف

باب 2

اِنسان......ایک تعارف

باب 3

اللہ جل جلالہ اور انسان کے باہمی تعلقات کی بنیادیں

پیش لفظ

کسی بھی انسان سے گناہ کا ارتکاب ہو جانا کوئی بڑی بات نہیں کیونکہ انسان کہتے ہی اس ہستی کو ہیں جس سے غلطیاں، کوتاہیاں اور گناہ سرزد ہوتے ہیں لیکن ان گناہوں اور غلطیوں کو گناہ ہی نہ سمجھنا یا گناہوں کا ارتکاب کر کے اس پر اترانا، فخر کرنا اور توبہ نہ کرنا دین فطرت کی میزان میں انتہائی قبیح حرکت اور توہین آمیز جسارت ہے۔

قیامت کے روز انسان کے اعمال حسنہ کے ساتھ اس کے تمام اعمال سیہ (گناہوں) کو بھی اس طرح رکھ دیا جائے گا کہ وہ نہ صرف یہ کہ اپنے ان گناہوں کو فوراً پہچان لے گا بلکہ ان سے انکار بھی اس کے لیے ناممکن ہو کر رہ جائے گا کیونکہ اس کے جسم کے وہ اعضاء جن سے وہ گناہوں کا ارتکاب کیا کرتا تھا، وہ بھی قیامت کے روز اللہ کی عدالت میں اس کے گناہوں پر شہادت دیں گے۔ اور اس وقت گنہگار انسان خود ہی یہ فیصلہ کرے گا کہ ہاں میں مجرم ہوں! اللہ کا مجرم ہوں! مجھے سزا ملنی چاہیے......!!

لیکن دوسری طرف وہ غفور رحیم ذات ہے جو چاہے تو اپنے نافرمان اور مجرم بندے کی ہر غلطی، ہر گناہ اور ہر نافرمانی کو معاف کر کے اسے سیدھا اپنی جنت میں داخلہ نصیب فرما دے اور چاہے تو گناہوں کے بقدر سزا دینے کے بعد جنت میں جگہ عطا کر دے۔ انسان کے گناہ آسمان کے تاروں برابر ہوں یا سمندر کی جھاگ، ریت کے ذرات اور زمین کی مخلوقات کے برابر اللہ کی بارگاہ میں یہ سب گناہ معاف ہو سکتے ہیں یا ان کے بدلہ میں بطور سزا جہنم میں کچھ عرصہ کے لیے داخل کیا جا سکتا ہے، لیکن یہ سارے گناہ انسان کو جنت سے اَبدی طور پر محروم نہیں کر سکتے۔ البتہ ایک گناہ ایسا ہے کہ اس کا ارتکاب اگر ہو جائے اور مرنے سے پہلے اس سے توبہ کی توفیق نہ مل سکے تو انسان خواہ کتنا ہی تہجد گزار عابد کیوں نہ ہو......، کتنا ہی عالم سخی اور مجاہد فی سبیل اللہ ہی کیوں نہ ہو...... اللہ کی بارگاہ میں اس کی معافی اور تلافی کسی صورت ممکن نہیں! جنت میں اس کے داخلہ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کلی و ابدی طور پر پابندی لگ جاتی ہے اور وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جنت سے محروم اور جہنم کا مستحق قرار دے دیا جاتا ہے۔ یہ گناہ وہ ہے جسے قرآن مجید نے شرک قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ يُّشْرِكْ

بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا﴾[النسآء۔۱۱۶]

''اسے اللہ تعالیٰ ہرگز نہ بخشے گا کہ اس کے ساتھ شریک مقرر کیا جائے، ہاں وہ (اللہ تعالیٰ) شرک کے علاوہ گناہ جس کے چاہے معاف فرما دیتا ہے۔ اور اللہ کے ساتھ شرک کرنے والا بہت دور کی گمراہی میں جا پڑا۔''

اگر انسان اس شرک سے محفوظ رہا یا شرک کا ارتکاب ہو جانے کے بعد اس نے مرنے سے پہلے سچی توبہ کر لی اور شرک کے مقابلہ میں اللہ کی توحید (وحدانیت) پر کاربند ہو گیا اور مرتے دم تک اس پر ثابت قدم رہا تو ایسا شخص کسی صورت بھی جنت سے محروم نہیں رہے گا، کیونکہ اس کا عقیدہ ٹھیک رہا ہے اور وہ توحید پر جیا اور توحید پر مرا ہے۔ اور اس نے شرک سے اپنے دامن کو محفوظ رکھا ہے۔

شرک کیا ہے؟ اور انسان شرک سے کس طرح محفوظ رہ سکتا ہے؟ توحید کیا ہے اور انسان توحید کو کس طرح اپنا سکتا ہے؟ عقیدہ کی درستگی کیا ہے؟ اور انسان اپنے عقیدے کو کس طرح درست رکھ سکتا ہے؟ یہ سوالات نہایت اہمیت کے حامل ہیں کیونکہ یہ انسان کی اخروی اور حقیقی کامیابی کے بارے میں ہیں اور کسی انسان کے لیے اس سے بڑھ کر اور کون سی بات اہم ہو سکتی ہے کہ اس کی اخروی نجات کی شاہ کلید اس کے ہاتھ آ جائے۔ زیر نظر کتاب دراصل انہی سوالات کے جوابات کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اس میں نہایت سادہ اور عام فہم طریقے سے مسئلہ توحید سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے اور کسی شخص، گروہ یا جماعت پر کفر و شرک کے فتوے لگانے کی بجائے براہ راست قرآن مجید کی روشنی میں اصل صورتحال کو پیش کر دیا گیا ہے اور جہاں تشنگی محسوس ہوئی وہاں بخاری و مسلم کی صحیح احادیث سے رہنمائی فراہم کی گئی ہے۔ قرآن مجید کی متعلقہ آیات اور بخاری و مسلم کی مستند احادیث پڑھ لینے کے بعد معمولی شعور رکھنے والا شخص بھی حقیقت تک پہنچ جاتا ہے۔ اس کے بعد وہ قرآن و سنت کی بیان کردہ حقیقت کو تسلیم کرتا ہے تو یہ اس کے لیے سعادت کی بات ہے اور اگر وہ اس کو تسلیم نہیں کرتا تو یہ خود اس کی اپنی بدبختی ہے، کسی اور کا وہ کوئی نقصان نہیں کرتا۔

کتاب ہذا کو تین ابواب اور ذیلی فصلوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے باب کی چھ فصلیں ہیں اور اس میں اللہ تعالیٰ کا تعارف پیش کرتے ہوئے وجودِ باری تعالیٰ، مختلف اَدیان و مذاہب کا تصورِ الٰہ، اسلام کا تصورِ الٰہ، اللہ تعالیٰ کے بارے میں پائے جانے والے گمراہانہ نظریات کا خاکہ اور تردید وغیرہ کو پیش کیا گیا ہے۔

دوسرے باب میں انسان کا تعارف پیش کرتے ہوئے اس کی تخلیق، مراحلِ تخلیق، مقصد تخلیق اور نظریہ ارتقاء وغیرہ پر بحث کی گئی ہے۔ تیسرے اور آخری باب میں اللہ اور انسان کے درمیان تعلق کی نوعیت کو واضح کرتے ہوئے تین فصلوں میں بالترتیب یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ اور انسان کا پہلا تعلق عابد اور معبود کا ہے، دوسرا تعلق خالق اور مخلوق ہے جبکہ تیسرا تعلق غنی اور محتاج کا ہے۔ انسان اگر اللہ کے ساتھ اپنے تعلق کی حقیقت کو سمجھ گیا تو اس کا معنی ہے اس نے قرآن مجید کے پیش کردہ تصورِ توحید کو سمجھ لیا ہے۔

مسئلہ توحید کو سمجھانے کے لیے اس کتاب میں راقم الحروف نے جو انداز اختیار کیا ہے وہ اس موضوع پر لکھی گئی کتابوں سے مختلف ہے۔ یہ انداز کافی سوچ وبچار کے بعد اللہ کی توفیق سے میرے ذہن میں پیدا ہوا اور مختلف موقعوں پر جب میں نے مسئلہ توحید سمجھانے کے لیے اس انداز پر تقریریں کیں تو لوگوں کی طرف سے اسے خاطر خواہ پسند کیا گیا۔ کیونکہ اس میں توحیدِ ربوبیت، توحیدِ الوہیت، توحیدِ اسماء وصفات وغیرہ جیسی وہ ثقیل علمی اصطلاحات استعمال نہیں کی گئیں جو کسی دور میں ائمہ اسلام نے اپنے ماحول کی مناسبت سے اختیار کی تھیں اور توحید پر لکھنے والے آج بھی انہی اصطلاحات کو جوں کا توں استعمال کرتے چلے آ رہے ہیں جبکہ ہمارا اردو دان طبقہ انہیں جلدی سمجھ نہیں پاتا۔ اس لیے ضرورت تھی کہ ان اصطلاحات کے ذریعے توحید کے جن پہلوؤں پر عقائد کی پرانی کتابوں میں اہلِ علم نے روشنی ڈالی ہے، انہیں عصرِ حاضر کی ضرورت کے مطابق عام فہم انداز میں پیش کیا جائے۔ چنانچہ اسی ضرورت کے پیشِ نظر اس اہم ترین مسئلہ کو زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچانے کے لیے یہ کتاب پیش کی جا رہی ہے۔ اگر یہ کتاب کسی ایک بھی شخص کو راہِ راست پر لے آئی اور اسے توحید کی شاہراہ پر چلانے میں معاون ثابت ہو گئی تو اللہ کی بارگاہ میں میری نجات کے لیے کافی ہو جائے گی۔ ان شاء اللہ!

میں ان سب احباب کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے اس کتاب کی تیاری میں کسی نہ کسی پہلو سے میری معاونت فرمائی اور اپنے مخلصانہ مشوروں سے نوازا۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو راقم الحروف سمیت ان تمام احباب کے لیے ذریعہ نجات بنا دے۔ آمین!

محتاجِ دعا

حافظ مبشر حسین

0300.4602878

حرفِ آغاز

حافظ مبشر حسین ایک نوجوان عالم اور ہونہار قلم کار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں بہت تھوڑی عمر میں علم کا ایسا ذوق عطا فرمایا ہے کہ ان پر رشک آتا ہے۔ وہ فرقہ وارانہ تعصبات سے بالا ہو کر قرآن وسنت کے چشمۂ صافی سے خود کو سیراب کرتے اور پھر اس فیضانِ علم کو عام کرنے میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ ان کے قلم میں روانی اور ان کی زبان میں سلاست ہے۔ گہرے مطالعے کے نتیجے میں وہ اپنی ہر بات مستند حوالوں سے مزین کرتے چلے جاتے ہیں اور یوں عبارت پوری ثقاہت کے ساتھ سینۂ قرطاس پر جگمگانے لگتی ہے۔ موصوف پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ علوم اسلامیہ سے پی۔ ایچ۔ ڈی کے مراحل کی تکمیل کر رہے ہیں جبکہ دوسری طرف دینی موضوعات پر ان کی کئی تحقیقی کتابیں اب تک منظر عام پر آ چکی ہیں۔ ان کی زیر نظر کتاب "اللہ اور انسان" توحید باری تعالیٰ کے حوالے سے بہت مفید کاوش ہے۔ انھوں نے اس کتاب میں اللہ تعالیٰ کا ایسا جامع تعارف پیش کیا ہے جو اس کی تمام صفات عالیہ اور أسمائے حسنیٰ کا نہ صرف مکمل احاطہ کرتا ہے بلکہ بندۂ مومن کے دل و دماغ کو بھی ایک عشقِ صادق سے سرشار کر دیتا ہے۔ علاوہ ازیں ایک عام انسان کا اپنے خالق و مالک کے ساتھ کیا تعلق ہونا چاہیے کہ جس سے اسے اپنے رب کی رضا اور اُخروی کامیابی حاصل ہو جائے، لائق مصنف نے اسے بھی قرآن وسنت کی روشنی میں بڑی خوش اسلوبی سے پیش کر دیا ہے۔ مختلف نظریاتِ باطلہ کا مناسب محاکمہ بھی اس کتاب میں پیش کیا گیا ہے۔

دورِ جدید میں انسان بہت مصروف ہو گیا ہے۔ اس کے پاس فرصت ہی نہیں کہ اپنی ذات اور ذاتی دلچسپیوں سے ہٹ کر کسی سنجیدہ موضوع پر سوچ وبچار کر سکے مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ مادی تعیشات اور وسائلِ لھو ولعب جس قدر بھی ہاتھ آتے چلے جائیں، انسان خود کو سکون سے محروم پاتا ہے جب تک کہ اسے روحانی تسکین کا کوئی ذریعہ نہ مل جائے۔ اگرچہ روحانی تسکین کے لیے لوگوں نے بہت سے خود ساختہ طریقے جاری کر رکھے ہیں، مگر روحانیت کا صحیح اسلامی تصور کیا ہے؟ اس کتاب کے مطالعہ سے وہ بخوبی عیاں ہو جاتا ہے۔ زیرِ نظر کتاب اپنے موضوع کے لحاظ سے بہت وسیع وعریض افق کی حامل ہے مگر اپنے حجم کے لحاظ سے نہایت مناسب ہے۔ اندازِ تحریر سلجھا ہوا ہے اور عنوانات سلیقے سے منتخب کیے گئے ہیں جس کی وجہ سے کتاب کی دلچسپی اور اثر انگیزی کئی گنا بڑھ گئی ہے۔ ہماری دعا ہے کہ مؤلف کی یہ کتاب بھی ان کی سابقہ تصانیف کی طرح قبول عام حاصل کرے آمین! [حافظ محمد ادریس حفظہ اللہ ڈائریکٹر ادارہ معارف اسلامی منصورہ، لاہور]

تقدیم

عقیدۂ توحید......نجات کی شاہ کلید!

ازقلم: پروفیسر عبدالجبار شاکر صاحب حفظہ اللہ
ڈائریکٹر: بیت الحکمت، لاہور پاکستان

قرطاسِ عالم پر پھیلی ہوئی ذریت آدم عقائد وافکار کے اعتبار سے مختلف تصورات کی حامل ہے۔ بنی نوع انسان ہمیشہ فکری لحاظ سے دو گروہوں میں منقسم رہا ہے؛ ان میں سے ایک تو وحی الٰہی اور انبیاء ورسل علیہم السلام کی ہدایت کے تابع نظر آتا ہے جبکہ دوسرا فریق متعدد مذاہب کی شکل میں خود ساختہ افکار ونظریات اور اوہام ومزعومات کے طلسم ہیچ مقداری میں گرفتار دکھائی دیتا ہے۔ یوں افکار وتصورات کے موضوع پر سب سے پہلا علمی نزاع اور علمی اختلاف وجود باری تعالیٰ کے تصور کے حوالے سے موجود رہا ہے۔ اس تصور کی توضیح وتنقیح کے سلسلے میں ائمہ دین اور فلاسفہ ومتکلمین کے درمیان شروع سے اختلاف دکھائی دیتا ہے۔ فکر ونظر کے اسی اختلاف کی اساس پر باقی علمی مناقشات نے جنم لیا ہے۔ یہ وہ علمی رزم گاہ ہے جس میں صدیوں سے فریقین اپنے استدلال وبراہین کے انبار جمع کر رہے ہیں۔ مقامِ شکر ہے کہ اس موضوع پر مسلمانوں کا استدلال الہامی ہونے کے ساتھ ساتھ منطقی، عقلی اور سائنسی وجوہ سے بھی بیان کیا گیا ہے۔

پیش نظر تحقیقی کتاب کے جواں فکر مؤلف حافظ مبشر حسین لاہوری نے عقیدہ وکلام کے اس موضوع پر اللہ اور انسان کے حوالے سے ایک فکر انگیز اور اطمینان بخش بحث کو پیش کیا ہے۔ انہوں نے اپنے اسلامی استدلال کی وضاحت کے ساتھ ساتھ دوسرے مذاہب وادیان کے دلائل کا بھی عقلی اور کلامی جائزہ پیش کیا ہے۔ یوں اس تقابلی مطالعے نے اس موضوع میں ایک علمی شان اور تخلیقی اپج پیدا کر دی ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کی صنعت کے شاہکار انسان کے حوالے سے اس کتاب میں جو مفید بحث پیدا کی گئی ہے وہ بنیادی طور پر تین اجزا پر مشتمل ہے۔ اولاً: یہ کہ اسلام کا تصور الٰہ کیا ہے۔ ثانیاً: یہ کہ خود حضرت انسان کی آفرینش کا مقصد کیا ہے؟ ثالثاً: یہ کہ اللہ اور انسان کے درمیان تعلق اور رابطے کی نوعیت کیا ہے؟ یہ تمام تر کتاب انہی تین مباحث اور اس کے ضمنی اور ذیلی موضوعات پر مشتمل ہے۔

تاریخ عالم کے مختلف مراحل میں انسانیت اگرچہ مختلف مذاہب اور فرق میں منقسم رہی ہے مگر وہ کسی نادیدہ خالق، خدا اور الٰہ کے تصور سے یکسر غافل نہیں رہی۔ ہر مذہب میں اس ذات

باری تعالیٰ کا تصور ان کے مخصوص عقائد کے مطابق مختلف رہا ہے مگر اسلام اور اس کی پہلی محکم اساس قرآن مجید میں اس ذات کے تعارف اور شناسائی کے مختلف مراحل میں ایک ایسی رہنمائی ملتی ہے جس کے مطالعے سے ذہنوں کو جلا اور دلوں کو کشود نصیب ہوتی ہے۔ ہمارے چاروں جانب ایک وسیع اور عظیم کائنات پھیلی ہوئی ہے اس ہمہ جہت فطرت کے ماحول میں بہت سے اسرار پوشیدہ ہیں۔ان اسرار فطرت کے بارے میں صحیح اطلاعات بھی خالق فطرت ہی جان سکتا ہے۔وہ اس عالم اسباب کا تنہا خالق ہے اور اسی کے باعث اس کائنات میں ایک نظم،ایک تدبیر اور ہم آہنگی دکھائی دیتی ہے۔یہ کائنات جو اپنے خالق کی حکمتوں کا نمونہ اور نقشہ ہے اگر اس کے ایک سے زیادہ خالق ہوتے تو ہمہ وقت ایک ایسے مقام کا منظر سامنے آتا کہ جس سے نہ تو کسی ذی روح کے اس نقشہ عالم پر موجود ہونے یا رہنے کے امکانات پیدا ہو سکتے تھے اور نہ ہی اس کائنات کے مختلف اجزاء وہ سہولیات اور ثمرات فراہم کر سکتے جن کے باعث مختلف نوعیت کی مخلوقات اپنی ضروریات کے لیے ہمہ وقت لوازم حیات کو موجود پاتی ہیں اور اپنے خالق کی ربوبیت عامہ سے مستفید ہوتی ہیں۔قرآن مجید میں اس وحدت میں مربوط کائنات کے مختلف اجزاء کا بہت عمدہ تعارف ملتا ہے اور حضرت انسان کو اس میں سفر کی ترغیب دی گئی ہے تاکہ وہ اپنے اس کائنات کے خالق حقیقی کا صحیح شعور حاصل کر سکے۔یوں تو کئی ایک سائنسدانوں نے بھی اس کائنات کے مشاہدے اور مطالعے میں بڑے اعتماد و تفحص سے کام لیا ہے مگر ان کے مطالعے اور مشاہدے میں ایک بنیادی نقص یہ واقع رہا کہ وہ اس کائنات کو کلیت میں دیکھنے کی بجائے اجزاء کے مشاہدے میں مصروف عمل رہے۔اسی باعث وہ اشیاء کے مشاہدے اور ماہیت کو جاننے کے باوجود خالق اشیاء کی معرفت حاصل نہ کر سکے۔ یہ سائنسدان تسخیر کائنات کے سفر پر تو روانہ ہوتے ہیں مگر مقاصد کائنات کو پورا نہیں کر پاتے کیونکہ یہ تصور الٰہ کی حقیقی معرفت سے آشنا نہیں ہوتے اور اگر اس سفر میں انہیں حقیقت کبریٰ کی معرفت میسر آ جائے تو ان سے بہتر کوئی مومن اور مسلم نہیں ہو سکتا۔

کائنات کے ہر حصے میں خالق کائنات کی حکمتوں کے دفتر کھلے پڑے ہیں جن کی جس قدر سیر کی جائی اسی قدر اس کے جمال تخلیق کے راز سے آگاہی اور شناسائی ملتی ہے۔اس کائنات کا سب سے بڑا شاہکار خود انسان ہے جو کسی نظریۂ ارتقاء کا مرہون منت ہونے کی بجائے خالق اکبر کے دست ہنر کا معجز نما اظہار ہے۔وہ ایک بین الصلب و الترائب، بدبودار اور لیس دار مادے سے لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم کی مجسم تصویر ہے۔اسے مادی

...کے علاوہ عقلی اور حسی قوتیں بھی عطا کی گئی ہیں جن کے باعث وہ اجزائے کائنات کا اسیر ہونے کی بجائے ان پر حکمران رہتا ہے، انھیں اپنے دست تصرف میں لاتا اور اس کے بے حد وحساب منافع سے استفادہ کرتا ہے۔ اس انسان کو اللہ تعالیٰ نے عقل سلیم کے ساتھ وجدان ووحی کے وسائل سے بھی نوازا ہے۔ عقل کا یہ چراغ، وحی الٰہی سے مستفید ہو کر حقیقی معرفت حاصل کرتا ہے اور اجزائے آفرینش میں کارفرما سنت اللہ کا ادراک کرتا ہے۔

وحی الٰہی کے بغیر سائنس اور ٹیکنالوجی انسانوں کو محض روبوٹ کی حیثیت سے محدود کر دیتے ہیں۔ اس حقیقت کو علامہ اقبال نے "بال جبریل" کی ایک نظم میں یوں پیش کیا ہے:

مشرق کے خداوند سفیدان فرنگی مغرب کے خداوند درخشندہ فلزات

وہ قوم کہ فیضان سماوی سے ہو محروم حد اس کے کمالات کی ہے برق و بخارات

فیضان سماوی یا وحی الٰہی کے بغیر سائنسی ایجادات اور اختراعات تو ممکن ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے حقیقی تصور کو جانے بغیر ایمان، اخلاقی اور روحانی زندگی کے امکانات کو بروئے کار نہیں لایا جا سکتا۔ بلکہ اس راستے میں انسان پہلے تو خود فراموشی کا سبق سیکھتا ہے، پھر یہ خود فراموشی اسے خدا فراموشی کی منزل تک پہنچا دیتی ہے اور خدا فراموشی کی وجہ سے انسان کفر و شرک اور معصیت و نافرمانی کی دلدل میں گر کر اپنی زندگی کو ہلاکت وضلالت سے دوچار کر لیتا ہے۔

"اللہ اور انسان" کے عنوان سے اس فکر انگیز اور ایمان افروز کتاب کے مصنف حافظ مبشر حسین نے اپنی اس علمی کاوش کا آغاز ہی تصور الٰہ کی وضاحت سے کیا ہے اور بڑی عمدگی سے مختلف مذاہب وادیان میں اس تصور کے بارے میں جو افراط وتفریط کے مراحل ہیں ان کی نشاندہی کرتے ہوئے اسلام کے نقطۂ مستقیم اور تصور خالص کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہود نے عزیز اور عیسائیوں نے مسیح کو اللہ کا بیٹا قرار دے کر تصور الٰہ کی نفی کر دی۔ فاضل مصنف نے اس سلسلے میں قرآنی وضاحتوں کے ساتھ تورات اور بائبل کے نقطۂ نظر کو بھی پیش کیا ہے۔ غیر آسمانی مذاہب میں سے ہندومت میں تصور الٰہ "تریمورتی" یعنی تین مختلف اشکال: برہمن، وشنو، اور رمہادیو کی صورت میں ملتا ہے۔ اگر ہندی علم الاصنام (Mythology) کا تفصیلی مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ہاں ہر ضرورت اور خوف نے ایک قابل پرستش دیوتا کی صورت اختیار کر رکھی ہے۔ بدھ مت میں وحدت الوجودی تصور کے باعث خود گوتم بدھ ہی خدائی تصورات میں شریک دکھائی دیتا ہے جبکہ اس کے پیروکاروں نے اس کی مختلف حالتوں کے ہزاروں مجسمے بنا کر اس کی تعلیم کی حقیقی روح کو مسخ کر ڈالا۔ قدیم چینیوں کی

مذہبی روایات جو کنفیوشس اور تاؤ کی تعلیمات میں ملتی ہیں، ان میں بھی دیوتاؤں اور دیویوں کی کثرت دکھائی دیتی ہے۔ ایران کے قدیم مذہب جس میں زرتشت کو ایک پیغمبر مان کر اس کے مذہبی افکار کو ''اوستا'' نامی کتاب میں محفوظ کیا گیا ہے، اس میں بھی نیکی اور بدی کے دو خدا، یزداں اور اہرمن کے ناموں سے ملتے ہیں۔

یوں دنیا تصور الٰہ کے بارے میں ہمیشہ سے گمراہی کا شکار رہی ہے۔ اس تصور الٰہ کا سب سے صحیح رخ تو محض انبیاء علیہم السلام نے پیش کیا ہے۔ انسانیت نے خود انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کو بھی مسخ کر دیا، ان کی ہدایات کی کتابوں میں تحریف کر دی اور اب قرآن مجید ہی تصور الٰہ کی صحیح تشریح اور درست وضاحت کا حقیقی ماخذ اور سرچشمہ ہے جس سے فاضل مصنف نے بڑی عمدگی سے استدلال پیش کیا ہے مگر افسوس کہ مسلمانوں کے ہاں بھی ویدانت اور عجمی تفلسف کی آمیزش سے اس تصور الٰہ کو مسخ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے حوالے سے جو گمراہ کن نظریات ہمہ اوست اور ہمہ از اوست کی تعبیر کے ساتھ ہمارے ہاں بعض فرقوں میں رواج پا چکے ہیں، ان کا قرآنی تصور الٰہ سے کوئی تعلق نہیں۔ پھر حلول واتحاد کے عنوان سے جو خدائی تضحیک کا سامان ہم نے پیدا کیا ہے، اس کا اسلام میں کوئی جواز موجود نہیں۔ اس دردناک داستان کی نقاب کشائی فاضل مصنف کی تصنیف کا سب سے اہم قابل مطالعہ حصہ ہے۔

اس فکر انگیز کتاب کا دوسرا باب انسانی تخلیق کے بارے میں اسلامی اور سائنسی فکر کے موازنے کو پیش کرتا ہے۔ مصنف نے بڑی عمدگی سے نظریہ ارتقاء بالخصوص ڈارون کی فکر کا علمی تجزیہ کیا ہے اور خود سائنسدانوں اور حکماء کے اس نظریہ سے اختلاف کو واضح کیا ہے۔ اس سلسلے میں مسلمان مفکرین کے اس طبقے کا بھی علمی اور تحقیقی تعاقب کیا گیا ہے جو نظریہ ارتقاء کے مؤیدین سمجھے جاتے ہیں۔ کتاب کے آخری باب میں اللہ تعالیٰ اور انسان کے باہمی تعلقات کی بنیادوں کو واضح کیا گیا ہے اور اس ضمن میں خالق و مخلوق، عابد و معبود اور محتاج و غنی کے حوالے سے ایک بندۂ مسلم کے اپنے خالق و مالک کے ساتھ صحیح تعلق کو قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے۔ اس کتاب کے یہ تینوں ابواب حقیقت میں تصور توحید ہی کی تشریح و تفہیم سے متعلق ہیں کہ جس کو اگر کتاب و سنت کے تناظر میں نہ سمجھا جائے تو انسان شرک و معصیت کی ایک ایسی دلدل میں گر جاتا ہے کہ اس کی نام نہاد محبت و عقیدت کے سارے پیمانے حبط اعمال اور خسران مبین کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ اپنے اس مقصد کے اعتبار سے

یہ تصنیف ایک کامیاب علمی کوشش ہے۔

اس کتاب کے فاضل مصنف حافظ مبشر صاحب کو اللہ تعالیٰ نے دل ودماغ کی بہترین صلاحیتیں عطا کی ہیں۔وہ قدیم وجدید علوم سے گہری واقفیت رکھتے ہیں۔ایک طرف وہ اسلامی علوم وفنون کے شناور ہیں تو دوسری طرف انہوں نے جدید علوم کے حصول میں بھی کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی۔قدیم علوم کے سلسلے میں اگر انہوں نے مدارس دینیہ سے استفادے کی راہیں ہموار کیں،تو جدید علوم کے حوالے سے وہ اب جامعہ پنجاب میں پی ایچ ڈی کے مرحلے سے گزر رہے ہیں۔ملک کے علمی اور تحقیقی جرائد ورسائل میں ان کے رشحاتِ فکر کثرت سے شائع ہوتے رہتے ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ محض رسمی موضوعات پر قلم اٹھانے کی بجائے سنجیدہ اور علمی عنوانات پر خامہ فرسائی کرتے ہیں۔یہی بات ہے کہ ان کی ایک درجن کے قریب علمی تصانیف پر اگر نظر ڈالی جائے تو یہ سب ان کی علمی قد وقامت کی بلندی پر شاہد وعادل ہیں۔اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک علمی اسلوب کا حامل بنایا ہے۔ان کے اسلوب میں ایک عالمانہ وقار اور تحقیقی روح شامل ہے۔ایک مترجم کی حیثیت سے انہیں عربی زبان پر بھی دسترس حاصل ہے۔وہ جدید تحقیق کے مزاج،اسلوب اور تقاضوں سے کما حقہ آگاہ ہیں جس کی بنا پر ان کی تحریریں مناسب حوالوں اور تخریج وتحقیق کے ساتھ آراستہ ہیں۔وہ حواشی اور تعلیقات کے فن سے بھی باخبر ہیں۔دور جدید میں ایسے صاحبانِ علم اور اربابِ تحقیق کی اشد ضرورت ہے کہ جو ایک طرف کتاب وسنت کے چشمۂ صافی سے سیراب ہوں تو دوسری طرف جدید علوم کے ماخذ اور مراجع سے بھی شناسائی رکھتے ہوں۔دور جدید کی اس جدید تر کروٹ میں فکر ونظر کی صحیح رہنمائی کے لیے جس اندازِ فکر سے اسلوب نگارش کی ضرورت ہے عزیزم اس سے بخوبی آراستہ ہیں۔ہم امید رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے اس بندۂ مسلم کو علم وفضل کی مزید دولت سے فیض یاب کریں گے اور ان کے اسلوب کو مزید ایسی توانائی عطا کریں گے کہ جس سے امت مسلمہ کی بیداری کی موجودہ لہر میں ان کا قلم اپنا صحیح کردار ادا کر سکے۔ان کا عنفوانِ شباب علم وتقویٰ سے عبارت ہے۔ہم ان کے پرعزم اور روشن مستقبل کے لیے دعا گو ہیں،حق تعالیٰ انہیں جسم وجان اور علم وعمل کی بہترین قوتیں عطا کرے اور ان کے ان علمی اور تحقیقی کاموں کو عامۃ المسلمین کے لیے مفید اور نافع بنائے۔آمین یارب العالمین!

باب اوّل

اللہ جل جلالہ......ایک تعارف

اس باب میں اللہ تعالیٰ کے وجود وتعارف کے حوالے سے چند فصلیں قائم کی گئی ہیں۔ پہلی فصل میں وجود باری تعالیٰ کا اثبات مختلف عقلی و نقلی دلائل کے ساتھ کیا گیا ہے۔ دوسری فصل میں تصور الٰہ کے بارے میں مختلف ادیان و مذاہب کے نقطہ ہائے نظر کو بالاختصار بیان کیا گیا ہے۔ تیسری فصل میں اسلام کا تصور الٰہ قرآن مجید اور صحیح احادیث کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے۔ چوتھی فصل میں صوفیا کے حوالے سے اس بات پر بحث کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار دنیا میں ممکن ہے یا نہیں؟ پانچویں فصل میں اللہ تعالیٰ کے بارے میں پائے جانے والے چند گمراہانہ عقائد ونظریات کا جائزہ لیتے ہوئے ان کا بطلان واضح کیا گیا ہے۔ چھٹی فصل میں اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کے حوالے سے کچھ ضروری معلومات فراہم کی گئی ہیں۔

پہلی فصل

کیا اللہ جلّ جلالہ موجود نہیں؟

انسان اپنی تاریخ کے ہر دور میں یہ سوچتا رہا ہے کہ وہ خود کیا ہے؟ کیسے اور کیوں پیدا ہوا ہے؟ مرنے کے بعد اس کے ساتھ کیا ہوتا ہے؟ جس کائنات میں وہ زندگی گزارتا ہے اسے کس نے بنایا ہے؟ جس زمین پر وہ چلتا، جس آسمان کے نیچے وہ سانس لیتا، جن وادیوں، پہاڑوں، میدانوں اور پانیوں سے وہ گزرتا اور جن وسائل کو وہ کام میں لاتا ہے، ان سب چیزوں کو کس نے بنایا ہے؟ کیا یہ چیزیں ہمیشہ سے اسی طرح ہیں یا کسی خاص زمانے میں ان کی ابتدا ہوئی تھی؟ اگر کسی خاص وقت میں ان کی ابتدا ہوئی تھی تو آیا اتفاقاً ایسا ہوا تھا، یا کسی طے شدہ منصوبہ کے تحت ایسا کیا گیا تھا؟؟

یہ وہ سوالات ہیں جو انسانی تاریخ کے ہر دور میں پیدا ہوتے رہے ہیں اور ہر دور کے دانشور و مفکرین، فلاسفہ و متکلمین اور انبیائے مرسلین ان کے جواب دیتے رہے۔ ان میں سے بعض سوالات تو وہ ہیں جن کا تعلق ہمارے عالم محسوسات سے نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ انسان اپنی عقل و مشاہدہ کی بنیاد پر ان سب کا سو فیصد درست جواب ہرگز نہیں دے سکتا، بلکہ ان کا جواب دینے میں انسانی عقل غلطی کا بھی پورا امکان رکھتی ہے جبکہ کوئی فوت شدہ انسان بھی واپس اس دنیا میں آ کر ہمیں اگلے جہان کی چیزوں کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکتا۔ البتہ اگر ان کے جوابات آسمانی وحی کی روشنی میں تلاش کیے جائیں تو نہ صرف یہ کہ ان کے سو فیصد درست جواب ہمیں ملیں گے بلکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے تعلق کی نوعیت کو سمجھنے اور اس کائنات میں اللہ کی مرضی کے مطابق اپنی ذمہ داری ادا کرنے کی رہنمائی بھی ہمیں حاصل ہوگی۔ آئندہ سطور میں عقل اور وحی الٰہی کی روشنی میں ان سوالات کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی جائے گی۔ ان شاء اللہ!

نباتات کون اُگاتا ہے؟

انسان زمین میں چھوٹا سا بیج ڈالتا ہے اور ایک خاص مدت کے بعد اسی بیج سے پودا نکلتا ہے جو بتدریج بڑھتے بڑھتے تنا آور درخت کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اسی طرح ایک کسان زمین میں گندم کے دانے ڈالتا ہے اور کچھ عرصہ بعد اس سے پودے نکلتے ہیں جو چند ماہ میں لہلہاتی فصل کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔

یہ وہ مثال ہے جس کا مشاہدہ ہم آئے روز کرتے رہتے ہیں لیکن کبھی ہم نے یہ سوچا ہے کہ آخر ایک بیج اور دانے سے پودا کیسے پیدا ہو جاتا ہے؟ پھر وہ پودا بڑھتے بڑھتے فصل یا درخت کی شکل کیونکر اختیار کر لیتا ہے؟ پھر اس پر مزیدار پھل اور خوشبودار پھول کیسے اُگ آتے ہیں؟؟

اگر تو کوئی انسان یہ کہے کہ زمین کی قوت، پانی کی طاقت، سورج کی حرارت، ہوائی گیسوں (آکسیجن، کاربن، نائٹروجن) کا عمل اور خود کسان کی محنت سے یہ سب کچھ وجود میں آتا ہے تو اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ زمین کو اُگانے کی قوت آخر کس نے دی ہے؟ پانی، نمی، حرارت، گرمی اور ہوا وغیرہ میں اُگانے کی خصوصیات کس نے رکھی ہیں؟ پھر ان تمام چیزوں میں وہ توازن کس نے پیدا کر دیا جو فصلوں کی پیداوار کے لیے ضروری ہے؟ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خود پانی، ہوا اور حرارت کو کس نے وجود بخشا ہے؟ پانی اگر گیسوں (ہائیڈروجن اور نائٹروجن) سے مل کر بنتا ہے تو ان گیسوں کو کس نے پیدا کیا ہے؟ حرارت اگر سورج سے پیدا ہوتی ہے تو خود سورج کو کس نے پیدا کیا ہے؟

اگر ہم ہوا، پانی اور حرارت کا وجود تسلیم کرتے ہیں تو پھر ہمیں یہ بھی ماننا پڑے گا کہ انہیں وجود عطا کرنے والا بھی کوئی ہے اور یہ ساری چیزیں ہر لحاظ سے اس کے کنٹرول میں ہیں کیونکہ ہم بارہا یہ بھی دیکھتے ہیں کہ کسان کے ہل چلانے، گوڈی کرنے، بیج ڈالنے، پانی دینے، اور رکھوالی کرنے کے باوجود زمین فصل اُگانے سے انکار کر دیتی ہے یا ہوا اپنے توازن واعتدال سے ہٹ کر طوفان کی شکل اختیار کر لیتی ہے یا پانی سیلاب بن کر بہہ پڑتا ہے اور کھڑی ہوئی فصلیں تباہ اور پھلوں کی نوید سنانے والے باغات ویران

ہو جاتے ہیں۔ پھر بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک ہی قطعہ ارضی پر ایک کی فصل اُگتی اور خوب اُگتی ہے جبکہ دوسرے کی فصل پودے بھی نکال نہیں پاتی، ایک ہی وقت پر آنے والا طوفان ایک کے کھیت کھلیان اور باغ کو ایسا تباہ کرتا ہے کہ ایک بھی پھلدار درخت باقی نہیں بچتا جبکہ ساتھ ہی موجود دوسرے کا نہ کھیت اجڑتا ہے اور نہ پھل ضائع ہوتا ہے۔

یہ سب اشارات ہیں اس بات کے کہ ایسا اتفاقاً نہیں ہوتا بلکہ کسی طے شدہ منصوبے کے تحت ہوتا ہے۔ عقلمند تو بہت جلد سمجھ لیتا ہے کہ کوئی ذات اور ہستی ایسی ضرور ہے جو چاہے تو ہوا، پانی، حرارت وغیرہ میں توازن پیدا کر کے نباتات اُگا دے اور قطعہ ارضی کو پھلوں اور پھولوں سے بھر دے اور چاہے تو ان اشیا کا توازن خراب کر کے ہوا کو طوفان، پانی کو سیلاب، حرارت کو آگ اور زرعی زمین کو بنجر و بے آب و گیاہ بنا دے۔ عقلمند بالآخر یہی فیصلہ کرتا ہے کہ یہ پانی، ہوا، روشنی وغیرہ جس ہستی کے کنٹرول میں ہیں، میں اسی ہستی کو اپنا محبوب بنالوں اور اسی کی رضا حاصل کرنے کے لیے جو کچھ ممکن ہے وہ سب کر گزروں۔ یقین کیجیے عقل و منطق کی عدالت میں اس کے علاوہ اور کوئی فیصلہ کیا ہی نہیں جا سکتا کیونکہ یہ سب اشیا تو کسی بلند و بالا آقا کی غلام و خدام ہیں جبکہ آقا اور غلام کے مقابلہ میں غلام کو نہیں بلکہ آقا کو راضی کیا جاتا ہے مگر بے وقوف ہے وہ شخص جو آقا کو چھوڑ کر غلام کو راضی کرنے لگے، جو ہوا، روشنی اور پانی کے خالق کو چھوڑ کر خود انہی چیزوں کو بلند و بالا سمجھ لے اور ان کے آگے سجدہ ریز ہو جائے!

اس سلسلہ میں قرآن مجید بھی عقلمندوں کے فیصلے کی تائید کرتا اور یہ پیغام دیتا ہے کہ ہوا، پانی اور روشنی وغیرہ کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ وہی آسمان سے پانی برساتا ہے، زمین سے نباتات اگاتا ہے اور ہوا، روشنی اور نمی میں توازن پیدا کرتا ہے۔ ان میں سے کسی ایک ہی چیز کو اگر وہ روک لے یا اس کا توازن بگاڑ دے تو ساری دنیا کے کسان مل کر ایک دانہ بھی پیدا نہیں کر سکتے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلْيَنظُرِ الْإِنسَانُ إِلَىٰ طَعَامِهِ أَنَّا صَبَبْنَا الْمَاءَ صَبًّا ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا فَأَنبَتْنَا فِيهَا حَبًّا وَعِنَبًا وَقَضْبًا وَزَيْتُونًا وَنَخْلًا وَحَدَائِقَ غُلْبًا وَفَاكِهَةً وَأَبًّا مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ﴾ [عبس۔ ۲٤ تا ۳۲]

''انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے کھانے کی طرف دیکھ لے کہ ہم نے خوب پانی برسایا پھر پھاڑا زمین کو اچھی طرح۔ پھر اس میں سے اناج اگائے اور انگور اور ترکاری اور زیتون اور کھجور اور گنجان باغات اور میوہ اور (گھاس) چارہ (بھی اگایا) تمہارے استعمال وفائدہ کے لیے اور تمہارے چوپایوں کے لیے۔''

﴿أَفَرَأَيْتُم مَّا تَحْرُثُونَ أَأَنتُمْ تَزْرَعُونَهُ أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُونَ لَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَاهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُونَ إِنَّا لَمُغْرَمُونَ بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ أَفَرَأَيْتُمُ الْمَاءَ الَّذِي تَشْرَبُونَ أَأَنتُمْ أَنزَلْتُمُوهُ مِنَ الْمُزْنِ أَمْ نَحْنُ الْمُنزِلُونَ لَوْ نَشَاءُ جَعَلْنَاهُ أُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُونَ﴾ [الواقعة ـ ٦٣ تا ٧٠]

''اچھا پھر یہ بھی بتلاؤ کہ تم جو کچھ بوتے ہو اسے تم ہی اگاتے ہو یا ہم اگانے والے ہیں؟! اگر ہم چاہیں تو اسے ریزہ ریزہ کر ڈالیں اور تم حیرت کے ساتھ باتیں بناتے ہی رہ جاؤ کہ ہم پر تو تاوان ہی پڑ گیا، بلکہ ہم بالکل محروم ہی رہ گئے۔ اچھا یہ بتاؤ کہ جس پانی کو تم پیتے ہو اسے بادلوں سے بھی تم ہی اتارتے ہو یا ہم برساتے ہیں۔ اگر ہماری مرضی ہو تو ہم اسے کڑوا زہر کر دیں پھر تم ہماری شکر گزاری کیوں نہیں کرتے!''

جمادات اور کائنات کو کس نے پیدا کیا ہے؟

اگر انسان احمق نہ ہو بلکہ صاحب شعور ہو تو وہ لازما یہ بات کہے گا کہ دکان، مکان، پلازہ اور محل بغیر بنانے والے کے نہیں بن سکتا۔ بٹن، گھڑی، سوچ، ریڈیو، کمپیوٹر، سی ڈی، کیسٹ، ٹیپ، فون، موبائل فون، فیکس، ٹی وی، بغیر بنانے والے کے نہیں بن سکتے۔ چادر، کپڑا، (لباس) کمبل، قالین، بستر، تکیہ، بچھونا، چار پائی، پلنگ، بیڈ، صوفہ، کرسی، میز بغیر کسی تیار کرنے والے کے خود بخود تیار نہیں ہو سکتے۔ راکٹ، میزائل، چاند گاڑیاں، ایٹم بم، ریڈار، طیارے، بارود، کیمیائی مادے وغیرہ بغیر محنت وکاوش کے نہیں بن سکتے۔

دیو ہیکل بحری اور ہوائی جہاز، آبدوزیں اور بسیں یا ان سے بھی بڑی بڑی اشیا خود بخود وجود میں نہیں آتیں اور نہ ہی چھوٹے چھوٹے کیل، کانٹے اور سوئیاں یا ان سے بھی چھوٹی چھوٹی چیزیں اتفاقا بن جاتی ہیں بلکہ ان سب اشیا کے پیچھے ایک نہیں سینکڑوں

دماغوں کی ذہانت اور ہزاروں افراد کی محنت شامل ہوتی ہے۔ بلاغور وفکر اور بغیر محنت وکوشش کے آج تک نہ کوئی مفید چیز خود بنی ہے اور نہ ہی کوئی معتبر چیز بغیر منصوبے کے خود ہی اتفاقاً وجود میں آتی دیکھی گئی ہے۔ کچھ یہی صورتحال کائنات کی ہے۔

اس کائنات میں زمین ایک بچھونا ہے۔ چھوٹے سے بچے کا بچھونا اگر ماں باپ نہ بنائیں تو وہ خود بخود نہیں بن جاتا، پھر اتنا بڑا بچھونا آخر خود بخود کیسے بن سکتا ہے؟ آسمان اس زمین پر چھت ہے اور وہ بھی ایک عجوبے کی حیثیت سے۔ کیونکہ یہ ایسی چھت ہے جس کے نیچے کوئی سہارا، کوئی ستون موجود نہیں ہے۔ پوری سنجیدگی سے غور کیجیے کہ آخر اتنی بڑی چھت اور وہ بھی بغیر سہارے کے کیسے بن گئی اور پھر پوری امانت داری سے فیصلہ کیجیے کہ اس کا بنانے والا کیا ہم انسانوں سے بڑھ کر طاقت واقتدار کا مالک نہیں؟

اسی آسمان میں سورج، چاند اور ستارے ہیں جو روشنی، حرارت، خوبصورتی اور سمت وتاریخ معلوم کرنے کا کام دیتے ہیں۔ غور کیجیے کہ ہمیں اپنی ذات کے لیے روٹی پکانا ہو تو آگ کا انتظام کرنے یا چولہا جلانے کی ضرورت ہوتی ہے اور رات کے اندھیرے کو اجالے میں بدلنے کے لیے روشنی کا معقول بند وبست کرنا پڑتا ہے۔ ہمیں اچھی طرح معلوم ہے کہ بغیر کسی کنٹرول کرنے والے کے نہ چولہا اور تندور بنتا ہے، نہ آگ جلتی ہے نہ روٹی پکتی ہے اور نہ اندھیرے میں روشنی پیدا ہوتی ہے۔ یہ تو ایک چھوٹے سے چولہے، تندور اور برقی بلب وغیرہ کی مثال ہے۔ اب غور کیجیے کہ اتنا بڑا سورج جو ساری دنیا کی فصلوں کو پکانے میں حرارت اور بے شمار ضروریات زندگی کے لیے توانائی مہیا کرتا ہے، یہ اتنے کام کی چیز خود بخود اور وہ بھی اتفاقی وحادثاتی طور پر آخر کیسے بن سکتی ہے؟!

جس طرح عقلمند آدمی مکان، جہاز، کمپیوٹر، میزائل، گھڑی، گاڑی وغیرہ کو دیکھ کر فوراً یہ فیصلہ کر لیتا ہے کہ ان کا کوئی نہ کوئی موجد ضرور ہے اور بغیر موجد کے یہ اشیا نہیں بن سکتیں اسی طرح صاحب شعور انسان وہ ہے جو کائنات اور اس کی اشیا کو دیکھ کر بلا تردد یہ فیصلہ کر لے کہ ان اشیا کو بنانے والا بھی کوئی ہے اور وہ انسانی طاقتوں سے کئی گنا زیادہ طاقتوں کا مالک ہے۔ ایسے ہی فہم وادراک رکھنے والوں کی تائید قرآن مجید کرتا ہے اور

دیگر انسانوں کو بھی آگاہ کرتا ہے کہ یہ زمین، یہ آسمان، یہ سورج، یہ چاند اور ستارے، یہ پہاڑ، دریا، سمندر اور ندی نالے، یہ سب کچھ ایک اللہ ہی نے بنائے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ﴾[یونس۔۳]

''بلاشبہ تمہارا رب اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ (۶) روز میں پیدا کر دیا پھر عرش پر قائم ہوا۔ وہ ہر کام کی تدبیر کرتا ہے۔''

﴿هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاءً وَّالْقَمَرَ نُورًا وَّقَدَّرَهُ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ مَا خَلَقَ اللَّهُ ذٰلِكَ إِلَّا بِالْحَقِّ يُفَصِّلُ الْآيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُونَ إِنَّ فِي اخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللَّهُ فِي السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ لَآيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُونَ﴾[یونس۔۵،۶]

''وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے سورج کو چمکتا ہوا بنایا اور چاند کو نورانی بنایا اور اس کے لیے منزلیں مقرر کیں تاکہ تم برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کر لیا کرو۔ اللہ تعالیٰ نے یہ چیزیں بے فائدہ نہیں پیدا کیں۔ وہ یہ دلائل ان کو صاف صاف بتلا رہا ہے جو علم رکھتے ہیں۔ بلاشبہ رات اور دن کے یکے بعد دیگرے آنے میں اور اللہ تعالیٰ نے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں پیدا کیا ہے ان سب میں ان لوگوں کے لیے دلائل ہیں جو اللہ کا ڈر رکھتے ہیں۔''

﴿أَلَمْ نَجْعَلِ الْأَرْضَ مِهَادًا وَّالْجِبَالَ أَوْتَادًا وَّخَلَقْنَاكُمْ أَزْوَاجًا وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا وَّجَعَلْنَا اللَّيْلَ لِبَاسًا وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا وَّبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا وَّأَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرَاتِ مَاءً ثَجَّاجًا لِّنُخْرِجَ بِهِ حَبًّا وَّنَبَاتًا وَّجَنّٰتٍ أَلْفَافًا﴾[النبأ۔۶تا۱۶]

''کیا ہم نے زمین کو فرش نہیں بنایا؟ اور پہاڑوں کو میخیں (نہیں بنایا؟) اور ہم نے تمہیں جوڑا جوڑا پیدا کیا۔ اور ہم نے تمہاری نیند کو آرام کا سبب بنایا۔ اور رات کو ہم نے پردہ بنایا ہے اور دن کو ہم نے (وقتِ) روزگار بنایا اور تمہارے اوپر ہم نے

سات مضبوط آسمان بنائے۔اور ایک چمکتا ہوا روشن چراغ پیدا کیا۔اور بدلیوں سے ہم نے بکثرت بہتا ہوا پانی برسایا تا کہ اس سے اناج اور سبزہ اگائیں اور گھنے باغ (بھی اُگائے)۔''

انسان اور حیوانات کا خالق کون ہے؟

سائنس دانوں کی تحقیقات کے مطابق انسانوں اور جانوروں کا جسم جن اجزا سے مل کر بنا ہوا ہے ،ان میں فاسفورس، گندھک ،لوہا، کوئلہ ،کیلیسم ،نمک ،کاربن ،آکسیجن، ہائیڈروجن اور نائٹروجن گیسیں اور ایسے ہی چند اور معمولی چیزیں شامل ہیں لیکن ان چیزوں کو ملا کر آج تک کوئی سائنس دان ایک جاندار بھی پیدا نہیں کر سکا اور نہ ہی ایسا ممکن ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْــًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ﴾[الحج ـ ٧٣،٧٤]

''اے لوگو! ایک مثال بیان کی جا رہی ہے، ذرا کان لگا کر سن لو، اللہ کے سوا جن جن کو تم پکارتے ہو وہ ایک مکھی بھی تو پیدا نہیں کر سکتے ،گو سارے کے سارے ہی جمع ہو جائیں، بلکہ اگر مکھی ان سے کوئی چیز لے بھاگے تو یہ تو اسے بھی اس سے چھین نہیں سکتے۔ بڑا بودا ہے طلب کرنے والا اور بڑا بودا ہے وہ جس سے طلب کیا جا رہا ہے۔ انہوں نے اللہ کے مرتبہ کے مطابق اس کی قدر جانی ہی نہیں ،اللہ تعالیٰ بڑا ہی زور وقوت والا اور غالب وزبردست ہے۔''

یہ اللہ تعالیٰ ہی کی شان ہے کہ اس نے خوبصورت انسان اور جاندار مخلوق کو پیدا کیا۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ﴾[التین ـ ٤]

''تحقیق ہم نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا ہے۔''

﴿وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْئًا وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِيْ جَوِّ السَّمَآءِ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾

''اللہ تعالیٰ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے نکالا ہے کہ اس وقت تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے، اسی نے تمہارے کان اور آنکھیں اور دل بنائے کہ تم شکرگزاری کرو۔ کیا ان لوگوں نے (ان) پرندوں کو نہیں دیکھا جو تابع فرمان ہو کر فضا میں ہیں جنہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی اور تھامے ہوئے نہیں، بے شک اس میں ایمان لانے والے لوگوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں۔'' [النحل۔۷۹،۷۸]

کائنات کی کوئی چیز بھی خود بخود پیدا نہیں ہوئی!

گزشتہ تفصیلات سے معلوم ہوا کہ یہ کائنات اور اس میں بسنے والی مخلوقات سب کی سب اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہیں اور اس کائنات میں کوئی چیز بھی ایسی نہیں جو اللہ تعالیٰ کی مرضی واذن کے بغیر خود بخود پیدا ہو گئی ہو۔ یہی بات قرآن مجید میں اس طرح بیان کی گئی ہے:

﴿اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ﴾ [الطور۔۳۵]

''کیا یہ بغیر کسی (پیدا کرنے والے) کے خود بخود پیدا ہو گئے ہیں؟ یا یہ خود پیدا کرنے والے ہیں؟''

بغیر منتظم کے کوئی نظام نہیں چلتا!

کوئی بھی صاحب عقل کسی شخص کی یہ بات تسلیم نہیں کر سکتا کہ...... ''شہر میں ایک جوتوں کا ایسا کارخانہ ہے جس میں نہ کوئی مالک ہے نہ مزدور۔ نہ کوئی نگران ہے نہ چوکیدار۔ خود بخود وہاں اینٹ، سیمنٹ اور سریا پہنچ گیا پھر خود بخود اس کی دیواریں، کمرے اور چھت بن گئی۔ پھر خود بخود اس میں مشینری نصب ہوئی اور اب وہ کارخانہ خود بخود چل رہا ہے۔ خود ہی وہاں خام مال پہنچ جاتا ہے اور خود ہی وہ مشینوں میں حسب مقدار داخل ہوتا ہے اور خود بخود اس سے مطلوبہ چیزیں تیار ہو کر نکلتی اور دکانوں پر فروخت ہو جاتی ہیں اور یہ سلسلہ سالہا سال سے بغیر کسی انقطاع اور خرابی کے چل رہا ہے......''

اگر جوتے بنانے والے ایک چھوٹے سے کارخانے کے بارے میں کوئی عقلمند یہ تسلیم نہیں کرسکتا کہ وہ خود بخود بن کر خود بخود چل رہا ہے تو پھر ارض وسما، شمس وقمر، بحروبر، جمادات ونباتات اور انسان اور حیوانات پر مشتمل اتنا بڑا کارخانہ جسے کائنات کہتے ہیں، کے بارے میں کیسے فرض کیا جاسکتا ہے کہ وہ خود بخود بن کر خود بخود چل رہا ہے اور اس کا کوئی نگران نہیں ہے، کوئی مالک نہیں ہے، کوئی مدبر و منتظم نہیں ہے۔ اگر دماغ میں خلل نہ ہو تو انسان کارخانہ کائنات کو دیکھ کر فوراً شہادت دے گا کہ اس کائنات کا کائی نہ کوئی مدبر و منتظم ضرور ہے اور وہ مدبر و منتظم کون ہے؟ قرآن مجید کہتا ہے کہ وہ مدبر اور وہ منتظم اللہ وحدہ لاشریک ہے۔

کائنات کا مدبر و منتظم صرف ایک ہی ہے!

کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ایک مملکت کے دو بادشاہ ہوں اور دونوں کا برابر حکم چلتا ہو اور اس کے ساتھ وہ مملکت بھی نہایت پرامن طور پر چل رہی ہو۔ دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی بھی کررہی ہو بلکہ جہاں ایک بادشاہ کے مقابلے میں کوئی دوسرا بادشاہی کا دعوی کرے وہاں فوراً امن تباہ ہوجاتا ہے، اختیارات کی جنگ چھڑ جاتی ہے جس کے نتیجہ میں وہ مملکت تو تباہ ہوتی ہی ہے مگر اس کے ساتھ دونوں بادشاہوں میں سے یا تو ایک غالب اور دوسرا مغلوب ہوتا ہے یا پھر دونوں ہی تباہ ہوجاتے ہیں اور کوئی تیسرا خود مختار وصاحب اقتدار بن جاتا ہے۔ یا پھر وہ مملکت ہی تقسیم ہوجاتی ہے اور ہر حصے کا بادشاہ اپنے زیر مملکت حصہ میں صرف اپنا نظام چلاتا ہے۔

یہ پوری کائنات بھی ایک وسیع تر مملکت ہے۔ اس مملکت میں لیک جامع وہمہ گیر نظام کام کررہا ہے۔ سورج، چاند، ستارے اس نظام کے پابند ہیں، اور کبھی اس سے انحراف کرتے ہیں نہ کرسکتے ہیں۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ سورج مشرق کی بجائے مغرب سے نکلا ہو یا اس نے طلوع ہونے سے انکار کردیا ہو یا چاند زمین پہ آگرا ہو، یا ستارے اپنے راستے سے ہٹ گئے ہوں یا نظام فلکی نظام ارضی سے یا نظام ارضی نظام فلکی سے جاٹکرایا ہو بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس کائنات کا ذرہ ذرہ اپنے منتظم کے بنائے ہوئے نظام

میں انتہائی پابندی اور پرامن طریقے سے چل رہا ہے اور ہمیشہ سے ایسے ہی چلتا چلا آ رہا ہے۔

غور کیجیے اگر ایک چھوٹی سی مملکت میں ایک سے زیادہ بادشاہ کھڑے ہو جائیں تو وہ مملکت تباہ اور اس کا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے تو اتنی بڑی کائنات میں اگر ایک سے زیادہ منتظم (خدا) ہوتے تو کیا پھر یہ کائنات اس طرح چل سکتی تھی جس طرح اب چل رہی ہے یا اس میں ایک مملکت سے بدرجہا بڑھ کر تباہی و بربادی پیدا ہو جاتی؟

ایک عقلمند اس کا جواب یہی دے گا کہ اگر ایک سے زیادہ خدا اس کائنات میں ہوتے تو پھر اس کا پرامن نظام کسی طرح بھی چل نہیں سکتا تھا اور اس نے ایک رزم گاہ بن جانا تھا۔ ایک خدا کا یہ حکم ہوتا کہ سورج مشرق سے طلوع ہو مگر دوسرے کا فرمان یہ جاری ہوتا کہ مشرق کی بجائے مغرب سے طلوع ہو۔ ایک نے کہنا تھا کہ میں آج بارش برساؤں گا، دوسرے نے کہنا تھا میں تو آج آگ برسانا چاہتا ہوں۔ پھر اس کے بعد وہی کچھ ہوتا جس کی ادنی سی جھلک ہولناک آندھی، خوفناک طوفان، خونریز جنگ اور تباہ کن حادثہ میں ہم دیکھتے ہیں۔ قرآن مجید نے بھی یہ حقیقت اسی انداز میں سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا فَسُبْحَانَ اللَّهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ﴾ [الانبیاء۔۲۲]

"اگر آسمان و زمین میں ایک اللہ کے سوا دوسرے خدا بھی ہوتے تو (زمین و آسمان) دونوں کا نظام بگڑ جاتا۔ پس اللہ رب العرش ان باتوں سے پاک ہے جو وہ (مشرک) بیان کرتے ہیں۔"

﴿قُلْ لَوْ كَانَ مَعَهُ آلِهَةٌ كَمَا يَقُولُونَ إِذًا لَابْتَغَوْا إِلَىٰ ذِي الْعَرْشِ سَبِيلًا سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يَقُولُونَ عُلُوًّا كَبِيرًا﴾ [بنی اسرائیل۔۴۲،۴۳]

"کہہ دیجیے کہ اگر اللہ کے ساتھ اور معبود بھی ہوتے جیسے یہ لوگ کہتے ہیں تو ضرور وہ اب تک مالکِ عرش کی جانب راہ ڈھونڈ نکالتے۔ جو کچھ یہ کہتے ہیں وہ اس سے پاک اور بالاتر، بہت دور اور بہت بلند ہے۔"

﴿مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهُ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ سُبْحَانَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ﴾[المؤمنون۔ ۹۱]

''اللہ نے کسی کو اپنی اولاد نہیں بنایا اور کوئی دوسرا معبود اس کے ساتھ نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہر معبود اپنی مخلوق کو لے کر الگ ہو جاتا اور پھر وہ ایک دوسرے پر چڑھ دوڑتے۔ پاک ہے اللہ تعالیٰ ان باتوں سے جو یہ لوگ بناتے ہیں۔''

ایک سے زیادہ خداؤں کا وجود محال ہے!

اس کائنات میں ایک سے زیادہ خدا ہونے کا تصور کسی طرح بھی معقول نہیں ہے کیونکہ اگر ایک سے زیادہ خدا ہوتے تو وہ بھی یا تو قوت واقتدار میں برابر ہوتے یا کچھ چھوٹے اور کچھ بڑے ہوتے۔ اگر تو سبھی برابر قوت کے مالک ہوتے تو پھر ایک دوسرے کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا اور یوں سبھی اس پہلو سے عاجز ہوتے اور جو خود عاجز ہو وہ بھلا خدا کیونکر تسلیم کیا جا سکتا ہے اور اگر کچھ خدا چھوٹے اور کچھ بڑے ہوتے تو یقیناً ہر چھوٹا اپنے بڑے کے مقابلے میں کمتر، مغلوب اور کمزور ہوتا ہے اور یوں سب سے بڑے ایک خدا کے علاوہ باقی تمام میں کمزوری، کمتری اور چھوٹائی کے عیوب پائے جاتے اور جس میں عیب ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا۔

اسی طرح اگر ایک سے زیادہ خدا ہوتے تو یہ سوال پیدا ہوتا کہ وہ ایک دوسرے کے اختیارات میں مداخلت کر سکتے ہیں یا نہیں۔ اگر تو ایک دوسرے کے نظام میں مداخلت کر سکتا ہے تو دوسرا اسے روک نہیں سکتا تو پھر دوسرا عاجز ہے اور پہلا خود مختار۔ اور خدا صرف اسے ہی مانا جا سکتا ہے جو عاجز نہیں بلکہ خود مختار ہو۔ اور اگر ایک مداخلت کرے اور دوسرا بھی مقابلہ کرے تو اس کے نتیجے میں کائنات کا نظام چل نہیں سکتا (جیسا کہ پیچھے ہم نے بیان کیا ہے) اور اگر کوئی یہ کہے کہ یہ سارے باہمی تعاون سے چل رہے ہیں تو اس کا معنی ہے وہ سبھی ایک دوسرے کے تعاون کے محتاج ہیں اور جو محتاج ہو وہ اللہ نہیں ہو سکتا۔ اور اگر کوئی یہ کہے کہ ہر خدا کی کائنات الگ ہے تو یہ بات بھی غلط ہے اس لیے کہ کائنات تو ایک ہی ہے اور اگر وہ پرامن طریقے سے چل رہی ہے تو اسے چلانے والا بھی ایک ہی ہے ایک سے زیادہ ہرگز نہیں۔

اللہ نظر کیوں نہیں آتا......؟

کسی کتاب میں میں نے یہ بات پڑھی کہ کسی گاؤں کی چوپال پر ایک دانشور آیا اس نے السلام علیکم کی بجائے ہیلو ہیلو کر کے اپنے ترقی پسند ہونے کا ثبوت دیا اور پھر وہاں موجود لوگوں سے کہنے لگا کہ لوگو! تمہارے سامنے جو بلند و بالا پہاڑ ہے کیا تم اسے دیکھ سکتے ہو؟ لوگوں نے کہا: ہاں۔ پھر اس نے کہا: کیا تم اس پہاڑ کے پہلو میں بہتے ہوئے دریا کو دیکھ رہے ہو؟ لوگوں نے کہا ہاں۔ پھر اس نے کہا کیا تم اس کے کنارے پر قطار در قطار لگے درختوں کو دیکھ رہے ہو؟ لوگوں نے کہا: ہاں۔ تو وہ بابو سینہ تان کر بولا: یہ سب چیزیں تمہیں اس لیے دکھائی دے رہی ہیں کیونکہ ان کا وجود ہے لیکن کیا تم نے کبھی اس خدا کو بھی دیکھا ہے جسے تم مانتے اور بغیر دیکھے پوجتے رہتے ہو؟

بابو کے اس سوال پر چوپال میں موجود تمام لوگوں پر سناٹا چھا گیا۔ پھر اچانک لوگوں کے مجمع میں سے ایک بوڑھا شخص اٹھا اور لوگوں سے یوں مخاطب ہوا: لوگو! کیا تمہیں یہ بابو دکھائی دے رہا ہے؟ لوگوں نے کہا ہاں۔ پھر اس بوڑھے نے کہا کیا تمہیں اس کی ٹائی، پینٹ، کورٹ، ہاتھ، پاؤں، سر اور آنکھیں دکھائی دے رہی ہیں؟ لوگوں نے کہا ہاں۔ پھر وہ بوڑھا بڑے اعتماد سے بولا: اچھا سچ بتاؤ کیا تمہیں اس کی عقل دکھائی دے رہی ہے؟ سب لوگوں نے کہا نہیں۔ تو بوڑھے نے سینہ تان کر کہا کہ اس کی عقل اس لیے دکھائی نہیں دیتی کہ اس میں عقل نہیں ہے۔ بوڑھے کا یہ جواب سن کر وہ بابو ہکا بکا رہ گیا اور وہاں سے بھاگ نکلنے ہی میں اس نے اپنی عافیت سمجھی جبکہ چوپال میں موجود دیہاتیوں کے قہقہے دور دور تک اس کا پیچھا کرتے رہے۔

یہ ایک عام فہم مثال ہے جس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ کسی چیز کا نظر نہ آنا اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ چیز اپنا وجود نہیں رکھتی۔ بلکہ بے شمار چیزیں وجود رکھتی ہیں مگر وہ ہمیں دکھائی نہیں دیتیں۔ اور اس کے باوجود ہم ان چیزوں کی موجودگی تسلیم کرتے ہیں۔ کچھ یہی معاملہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دکھائی نہیں دیتے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ معاذ اللہ، اللہ کا کوئی وجود ہی نہیں ہے۔ جس طرح ہم اپنی عقل، اپنی

روح اور ایسی ہی بہت سی ان دیکھی چیزوں کے وجود کو بلا تامل تسلیم کرتے ہیں اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ یقین واعتماد سے ہمیں اللہ تعالیٰ کے وجود وموجودگی کو تسلیم کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کے وجود کا اثبات نہ صرف یہ کہ وحی الٰہی سے ہوتا ہے بلکہ عقل ومنطق کی میزان بھی مختلف پہلوؤں سے وجود باری تعالیٰ کا اثبات کرتی ہے۔ اس کی تفصیلات ہم پیچھے بیان کر آئے ہیں یہاں ہم صرف اس سوال کا جواب دینا چاہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ موجود ہیں تو پھر انسان سے دور اور اس کی نگاہوں سے اوجھل کیوں ہیں؟

اس سوال کا جواب سمجھنے کے لیے اس مثال پر غور کیجیے:

ایک استاد اپنے شاگردوں کا امتحان لینا چاہتا ہے۔ وہ کمرہ امتحان میں شاگردوں کو دیانتداری سے کام کرنے کی تلقین کر کے خود ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا ہے اور کسی ایسی جگہ جا کر انہیں دیکھتا رہتا ہے جہاں سے اس کے شاگرد اسے نہیں دیکھ سکتے۔ استاد کے نگاہوں سے اوجھل ہونے کے بعد ظاہر ہے کہ وہی شاگرد دیانتداری سے کام کرے گا جو امانت ودیانت کے تقاضے پورے کرنا اپنا فرض اور استاد کی طرف سے عائد کردہ ذمہ داری سمجھتا ہے مگر جو اس ذمہ داری کی پروا نہیں کرتا وہ اس کے تقاضے بھی پورے نہیں کرتا اور استاد کے نگاہوں سے اوجھل ہوتے ہی دھوکہ دہی شروع کر دیتا ہے جبکہ استاد اپنے ہر شاگرد کو دیکھ رہا ہے اور اسے بخوبی معلوم ہے کہ کس نے امانت ودیانت سے پرچہ حل کیا ہے اور کس نے کتنی نقل کی ہے۔ پھر وہ ان کی کارکردگی کے مطابق ہی انہیں نمبر دیتا ہے حتی کہ اگر کسی شاگرد نے سو نمبروں کا پرچہ صحیح حل کیا ہے مگر وہ سارا نقل کیساتھ کیا ہے تو استاد اسے ایک نمبر بھی نہیں دیتا۔ قریب قریب یہی صورتحال اس دنیا کی زندگی کی سمجھ لیجیے۔

یہ دنیا ایک امتحان گاہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں امتحان کے لیے پیدا کیا ہے۔ اپنے انبیاء کے ذریعے اس نے اپنی ہدایات بھیج دی ہیں۔ خود اللہ تعالیٰ ہماری نگاہوں سے اوجھل ہیں مگر ہم اس کی نگاہ سے اوجھل نہیں۔ وہ ہماری تمام حرکات وسکنات سے آگاہ ہے اور ہر لمحہ ہمیں دیکھ رہا ہے کہ کون میری بتائی ہوئی ہدایات کے مطابق کام کر رہا ہے اور کون اس سے انحراف کر رہا ہے۔ پھر قیامت کے روز وہ ہر ایک کو اس کے انہی اعمال کے مطابق جزا یا سزا دے گا۔

اللہ کو کس نے پیدا کیا ہے؟

جب ہم کائنات کی تخلیق کے حوالے سے یہ غور کرتے ہیں کہ فلاں فلاں چیزوں کو کس نے پیدا کیا؟ اور اس کا جواب یہ پاتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ نے" تو ہمارے ذہن میں نہ چاہتے ہوئے بھی یہ سوال پیدا ہو جاتا ہے کہ اگر یہ سب کچھ اللہ نے پیدا کیا ہے تو خود اللہ تعالیٰ کو کس نے پیدا کیا ہے؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ساری کائنات کو جس خالق نے پیدا کیا ہے وہی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کو بالفرض کسی اور نے پیدا کیا ہے تو پھر اس پر سوال پیدا ہوگا کہ اس "اور" ذات کو کس نے پیدا کیا ہے؟ اس کے جواب میں جس کسی ذات کا نام لیا جائے گا، اس پر پھر سے یہ سوال عائد ہو جائے گا کہ اسے پھر کس نے پیدا کیا ہے؟ اس طرح یہ سوال کا سلسلہ برابر قائم رہے گا۔ حتیٰ کہ کسی نہ کسی ذات پر جا کر ہمیں یہ تسلیم کرنا ہی پڑے گا کہ فلاں ذات کو کسی نے پیدا نہیں کیا اور حقیقت یہ ہے کہ یہی جواب اللہ تعالیٰ کے بارے میں حاصل ہوتا ہے کہ ساری مخلوقات کی انتہا اس ذات پر ہوتی ہے اور وہ سبھی کا خالق ہے جب کہ اسے کسی نے پیدا نہیں کیا۔

اس طرح کے سوالات چونکہ انسان کے لیے ذہنی پراگندگی کا باعث بنتے ہیں اس لیے اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں اس طرح کے سولات پر غور کرنے سے بھی منع فرما دیا تا کہ کہیں کوئی شخص گمراہ نہ ہو جائے۔ اس سلسلہ میں حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((یأتی الشیطان احدکم فیقول :من خلق کذا ؟من خلق کذا ؟حتی یقول: من خلق ربک ؟فاذا بلغه فلیستعذ باللہ ولینته)) [بخاری : کتاب بدء الخلق :باب صفة ابلیس۔۔۔ (ح۳۲۷٦)مسلم : کتاب الایمان (ح۱۳٤)]

"شیطان تم میں سے کسی ایک کے پاس آ کر (اس کے دل میں) کہتا ہے کہ فلاں چیز کس نے پیدا کی؟ اور فلاں فلاں کو کس نے پیدا کیا؟ یہاں تک کہ وہ یہ کہہ دیتا ہے کہ تمہارے رب کو کس نے پیدا کیا؟ جب بندے کی یہ حالت ہو تو اس کو چاہیے کہ تعوذ پڑھے اور (مزید غور وفکر) سے رک جائے۔"

دوسری فصل

مختلف اَدیان و مذاہب کا تصورِ الٰہ

ہر دین و مذہب میں الٰہ (خدا) کے بارے میں کوئی نہ کوئی تصور ضرور موجود رہا ہے۔ قرآن مجید کے بیان کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں نبی ورسول مبعوث کیے جنہوں نے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے اس تصور حقیقی سے آشنا کروانے کا پورا پورا موقع فراہم کیا جو خود اللہ تعالیٰ اپنے بارے میں کروانا چاہتے ہیں۔اور دنیا میں کوئی گروہ اور کوئی قوم ایسی نہیں گزری جس کی طرف انبیاء ورسل، الٰہی تعلیمات لے کر نہ پہنچے ہوں۔اللہ تعالیٰ نے اس بات کی شہادت اپنی کتاب میں اس طرح دی ہے:

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُوْلاً﴾[النحل۔۳٦]

''تحقیق ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا ہے۔''

﴿وَمَا مِنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ﴾[فاطر۔٢٤]

''اور کوئی امت ایسی نہیں ہوئی کہ جس میں کوئی ڈرسنانے والا (پیغمبر) نہ گزرا ہو''

یہ الگ بات ہے کہ انبیا کی قوموں اور ملتوں میں سے کسی نے انبیاورسل کی تعلیمات کو تسلیم کیا اور کسی نے نہ کیا۔کسی نے ان تعلیمات کو تسلیم کرنے کے بعد جلد ہی اپنی حسب منشا اس میں تبدیلی پیدا کر لی اور کسی نے دیر سے ایسا کیا۔جبکہ بہت تھوڑے لوگ ایسے بھی ہوئے جنہوں نے ان تعلیمات کو اصلی شکل میں ہمیشہ زندہ رکھا۔اس وقت دنیا میں آباد قوموں میں سے مسلمانوں کے علاوہ صرف یہودی اور عیسائی دو ہی ایسے گروہ ہیں جن کے بارے میں قرآن مجید یہ شہادت دیتا ہے کہ ان کی طرف انبیاورسل اور آسمانی صحائف بھیجے گئے۔ظاہر ہے آسمان سے آنے والے تمام الٰہی صحائف اور خدائی کتابوں میں اللہ تعالیٰ کے بارے میں ایک ہی تصور ہونا چاہیے اور تھا بھی ایسے ہی۔مگر

یہود و نصاریٰ نے اپنے صحائف میں از خود تبدیلیاں کر لیں جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کا تصورِ الٰہ وہ نہ رہا جو آخری محفوظ الہامی کتاب یعنی قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے۔

نزولِ قرآن سے بہت پہلے ان یہود و نصاریٰ کا تصورِ الٰہ چونکہ بدل چکا تھا اس لیے قرآن مجید نے ان کے اس محرفانہ تصورِ الٰہ پر تنقید کی۔ اس کے علاوہ قرآن کے مخاطب چونکہ مشرکین مکہ بھی تھے اور ان کا تصورِ الٰہ بھی وہ نہ تھا جو فی الواقع اللہ تعالیٰ کو مطلوب ہے اس لیے ان کے تصورِ الٰہ پر بھی قرآن مجید میں تنقید کی گئی۔ علاوہ ازیں یہ آخری آسمانی کتاب چونکہ اب رہتی دنیا تک اللہ تعالیٰ کے تعارف، اس کی بتائی ہوئی تعلیمات اور اخروی نجات کا واحد معیار تھی اس لیے اس میں نہ صرف یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا تصور و تعارف پوری وضاحت کے ساتھ پیش کر دیا بلکہ غلط تصورات کی بھی اچھی طرح نفی فرما دی۔ اس لیے اب مذاہب عالم کے تصورِ الٰہ کو قرآن کے بیان کردہ تصورِ الٰہ کے ساتھ ہی پرکھا اور حق و باطل میں فرق کیا جا سکتا ہے۔ آئندہ سطور میں ہم یہود و نصاریٰ اور دیگر مذاہب عالم کا تصورِ خدا (الٰہ) بالاختصار اور اگلی فصل میں اسلام کے تصورِ الٰہ کو بالتفصیل پیش کریں گے۔

یہود و نصاریٰ کا تصورِ الٰہ (خدا)

یہود اور نصاریٰ (عیسائی) یہ دو گروہ ایسے ہیں جن کی طرف بے شمار انبیاء اور تورات و انجیل کی شکل میں آسمانی کتابیں بھیجی گئیں۔ مشرکین مکہ کے مقابلہ میں ان کے پاس چونکہ آسمانی کتاب تھی (خواہ اس کی کیسی ہی حیثیت تھی) اس لیے قرآن مجید نے ان دونوں گروہوں کو 'اہل کتاب' کے نام سے بھی پکارا ہے۔ یہ دونوں گروہ اگرچہ اللہ کو خالق و معبود مانتے تھے مگر ان کا تصورِ الٰہ وہ نہ رہا جو ان کے انبیاء نے انہیں بتایا تھا۔ ان کے انبیاء نے انہیں جو کچھ بتایا تھا وہ یہ تھا کہ اس کائنات کو خالق و مالک ایک اللہ تعالیٰ ہے اور وہی اس بات کا حق رکھتا ہے کہ اس کی عبادت کی جائے اور کسی کو اس کی عبادت میں شریک نہ کیا جائے۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں قرآن مجید میں ہے کہ

﴿فَلَمَّا أَتَاهَا نُودِيَ يَا مُوسَىٰ إِنِّي أَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ إِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى وَأَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوحَىٰ إِنَّنِي أَنَا اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي﴾ [طٰہٰ۔ ۱۱ تا ۱۴]

”جب وہ (موسیٰ علیہ السلام) وہاں آئے تو انہیں پکارا گیا: اے موسیٰ! بے شک میں تیرا رب ہوں، پس تم اپنے جوتے اتار دو، یقیناً تم طویٰ کی مقدس وادی میں ہو۔ اور میں نے تمہیں (اپنے پیغام) کے لیے چن لیا ہے لہذا غور سے سنو جو تمہاری طرف وحی کیا جا رہا ہے۔ بے شک میں ہی اللہ ہوں اور میرے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں ہے، لہذا تم میری ہی عبادت کرو اور میری یاد کے لیے نماز قائم کرو۔“

اس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ہے کہ انہوں نے اپنی امت سے کہا تھا:

﴿اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّىْ وَرَبَّكُمْ﴾ [المائدۃ۔۱۱۷]

”تم ایک اللہ کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔“

یہود و نصاریٰ نے اپنے انبیاء کے بتائے ہوئے تصور الٰہ میں کیا بگاڑ پیدا کر دیا تھا؟ اس کے بارے میں قرآن مجید کی درج ذیل آیت میں ہمیں کچھ اس طرح بتایا گیا ہے:

﴿وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ۨابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِئُوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا اُمِرُوْا اِلَّا لِيَعْبُدُوْا اِلٰهًا وَّاحِدًا لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾ [التوبۃ۔۳۰، ۳۱]

”یہود کہتے ہیں عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصرانی کہتے ہیں کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔ یہ قول صرف ان کے منہ کی بات ہے۔ اگلے منکروں کی بات کی یہ بھی نقل کرنے لگے، اللہ انہیں غارت کرے وہ کیسے پلٹائے جاتے ہیں۔ ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو رب بنا لیا ہے اور مریم کے بیٹے مسیح کو۔ حالانکہ انہیں صرف ایک اللہ ہی کی عبادت کا حکم دیا گیا تھا جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ پاک ہے ان کے شریک مقرر کرنے سے۔“

یہود و نصاریٰ نے اللہ کی شانِ یکتائی کے حصے کر دیے

اس آیت سے معلوم ہوا کہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا اور یہودیوں نے عزیر کو اللہ کا بیٹا بنا لیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تو قرآن مجید نے ایک نبی کی حیثیت سے

متعارف کرایا ہے مگر یہ عزیر کون تھے اور انہیں کس بنیاد پر یہودیوں نے اللہ کا بیٹا بنایا اس کی کوئی تفصیل اور قطعی جواب ہمیں قرآن وحدیث میں نہیں ملتا۔ تاریخی واسرائیلی روایتوں کی بنیاد پر بعض لوگوں نے انہیں ایک نبی اور بعض نے ایک کاہن قرار دیا ہے اور یہودیوں کے ہاں ان کے مقام ومرتبہ کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ انہوں نے یہود کی شریعت کی تجدید اور تورات کی تدوین کی تھی مثلاً مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں کہ

''حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد جو دورِ ابتلاء بنی اسرائیل آیا، اس میں نہ صرف یہ کہ تورات دنیا سے گم ہوگئی تھی بلکہ بابل کی اسیری نے اسرائیلی نسلوں کو اپنی شریعت، اپنی روایات اور اپنی قومی زبان عبرانی تک سے ناآشنا کر دیا تھا۔ آخر کار انہی عزیر یا عزرا نے بائبل کے پرانے عہد نامے کو مرتب کیا اور شریعت کی تجدید کی۔ اسی وجہ سے بنی اسرائیل ان کی بہت تعظیم کرتے ہیں اور یہ تعظیم اس حد تک بڑھ گئی کہ بعض یہودی گروہوں نے ان کو ابن اللہ تک بنا دیا۔ یہاں قرآن مجید کے ارشاد کا مقصود یہ نہیں ہے کہ تمام یہودیوں نے بالاتفاق عزرا کاہن کو خدا کا بیٹا بنایا بلکہ مقصود یہ بتانا ہے کہ خدا کے متعلق یہودیوں کے اعتقادات میں جو خرابی رونما ہوئی وہ اس حد تک ترقی کر گئی کہ عزرا کو خدا کا بیٹا قرار دینے والے بھی ان میں پیدا ہوئے'' [تفہیم القرآن۔ جلد ۲ صفحہ ۱۸۹]

حالانکہ اللہ تعالیٰ کی نہ بیوی ہے نہ اولاد اور نہ والدین جبکہ حضرت عزیر اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے آپ کو نہ اللہ کا بیٹا کہا، نہ وہ ایسا کہہ سکتے تھے اور نہ ہی وہ اللہ کے بیٹے تھے بلکہ وہ تو اللہ کے پیدا کردہ ایک بندے اور اس کے رسول تھے اور انہوں نے اللہ کی وحدانیت ہی کا تصور پیش کیا مگر ان کے بعد لوگوں نے ان کی تعلیمات کو بدل ڈالا مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کے کچھ ہی عرصہ بعد پال نامی ایک شخص نے جو حضرت عیسیٰ کی زندگی میں تو ان پر ایمان نہ لایا البتہ آپ کے آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد عیسائی بن گیا تھا، دین عیسوی کو مقبول عام بنانے کی نیت سے اس میں کچھ ایسی جوہری تبدیلیاں کر دیں جس سے دین عیسوی تو بلاشبہ مقبول عام بن ہی گیا بلکہ وہ یہودیت کو بھی بہت پیچھے چھوڑ گیا مگر ان تبدیلیوں سے دین عیسوی کی شکل وہ نہ رہی جو

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پیش کی تھی بلکہ اب اس کی شکل وہ بن گئی جو پال (پولس) نے پیش کی تھی اور روم کے بت پرست بادشاہ (قسطنطین) نے جب دین عیسوی قبول کیا تو اس میں بت پرستی کو بھی شامل کرلیا تا کہ رومیوں اور دیگر بت پرستوں کی حمایت بھی اسے حاصل رہے۔اس طرح سے دین عیسوی بدلتا چلا گیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل کی جانے والی کتاب انجیل میں بھی غلط عقائد کی پیوندکاری کردی گئی۔

پال (پولس) ہی وہ پہلا شخص ہے جس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے اللہ کا بیٹا ہونے اور ان میں خدائی صفات کا ظہور ہونے کا فلسفہ پیش کیا۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے لے کر آسمان پر اٹھائے جانے تک کی زندگی کا بڑا حصہ چونکہ معجزات پر مشتمل رہا تھا اس لیے عیسائیوں میں پال کے بنائے ہوئے ابنیت اور الوہیت وغیرہ کے عقائد بہت جلد مقبول عام ہو گئے اگرچہ دین عیسوی کے اصل پیروکار ان نظریات کے خلاف آواز اٹھاتے رہے مگر ان کی کوششیں بار آور ثابت نہ ہوسکیں اور جب رومی بادشاہوں نے عیسائیت قبول کی تو ان شرکیہ عقائد (ابنیت ،الوہیت، تثلیث، حلول وغیرہ) کو سرکاری سطح پر نافذ کر دیا اور ان سے اختلاف کرنے والوں کو 'کافر' قرار دے کر تختہ دار پر کھینچنا شروع کر دیا۔نتیجہ یہ نکلا کہ یہ شرکیہ عقائد ہی مسیحی دنیا کے اصل عقائد ونظریات کی حیثیت اختیار کر گئے۔

یہود ونصاریٰ کے بگڑے ہوئے تصور الٰہ پر تنقید کے سلسلہ میں قرآن مجید نے ایک تو یہ بات پوری وضاحت کے ساتھ بیان کی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور عزیر کے بارے میں ابنیت ، الوہیت وغیرہ جیسے نظریات سراسر کفروشرک پر مبنی ہیں اور دوسرا یہ پہلو اجاگر کیا کہ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے آپ کو اللہ کا بندہ اور رسول کہتے ہوئے اسی ایک معبود برحق کی عبادت کی تعلیم دی تھی۔درج ذیل آیات میں ان حقائق کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:

﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾[المائدة ـ ١٧]

"یقیناً وہ لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا کہ اللہ ہی مسیح ابن مریم ہے، آپ ان سے کہہ دیجیے کہ اگر اللہ تعالیٰ مسیح ابن مریم اور اس کی والدہ اور روئے زمین کے سب لوگوں کو ہلاک کر دینا چاہے تو کون ہے جو اللہ تعالیٰ پر کچھ بھی اختیار رکھتا ہو؟ آسمان وزمین اور ان دونوں کے درمیان کا کل مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔"

﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْ اِسْرَاۗءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾[المائدۃ۔۷۲،۷۳]

"بے شک وہ لوگ کافر ہو گئے جن کا قول ہے کہ مسیح ابن مریم ہی اللہ ہے حالانکہ خود مسیح نے ان سے کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل! اللہ ہی کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا سب کا رب ہے، یقین مانو کہ جو شخص اللہ کے ساتھ شریک کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے، اس کا ٹھکانہ جہنم ہی ہے اور گنہگاروں کی مدد کرنے والا کوئی نہیں ہوگا۔ وہ لوگ بھی قطعاً کافر ہو گئے جنہوں نے کہا، اللہ تین میں کا تیسرا ہے، دراصل اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔"

﴿مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ﴾

"مسیح ابن مریم علاوہ پیغمبر ہونے کے اور کچھ بھی نہیں، اس سے پہلے بھی بہت سے پیغمبر ہو چکے ہیں۔ ان کی والدہ ایک راست باز عورت تھیں۔ دونوں ماں بیٹا کھانا کھایا کرتے تھے۔ آپ دیکھیے کہ کس طرح ہم ان کے سامنے دلیلیں رکھتے ہیں پھر غور کیجیے کہ کس طرح وہ پھرے جاتے ہیں۔" [المائدۃ۔۷۵]

﴿يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ اَلْقٰىهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ

سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا﴾ [النسآء-١٧١]

''اے اہل کتاب اپنے دین کے بارے میں حد سے نہ گزر جاؤ اور اللہ پر سوائے حق کے اور کچھ نہ کہو۔ مسیح عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) تو صرف اللہ تعالیٰ کے رسول اور اس کا حکم ہیں، جسے مریم (علیہما السلام) کی طرف ڈال دیا تھا اور اس کے پاس کی روح ہیں اس لیے تم اللہ کو اور اس کے سب رسولوں کو مانو اور نہ کہو کہ اللہ تین ہیں، اس سے باز آ جاؤ (اسی میں) تمہارے لیے بہتری ہے۔ عبادت کے لائق تو صرف ایک اللہ ہی ہے اور وہ اس سے پاک ہے کہ اس کی اولاد ہو، اسی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور اللہ کافی ہے کام بنانے والا۔''

موجودہ بائبل اور تصور توحید

موجودہ بائبل جسے یہود ونصاریٰ کے ہاں 'کتاب مقدس' کہا جاتا ہے، یہ تورات، انجیل، زبور اور بعض دیگر انبیا کے صحائف پر مشتمل ہے اور اس کے دو حصے ہیں پہلے کو عہد نامہ قدیم اور دوسرے کو عہد نامہ جدید کہا جاتا ہے۔ بائبل میں شامل آسمانی کتابوں اور صحائف میں اگرچہ کئی مرتبہ تحریف ہوئی اور وہ اپنی اصل الہامی شکل میں موجود نہ رہے مگر اس کے باوجود حقیقت یہ ہے کہ ابھی بھی ان میں بعض الہامی تعلیمات اپنی صحیح شکل میں پائی جاتی ہیں مثلاً توحید وشرک کے حوالے سے بائبل میں شامل صحائف میں ایک اللہ کی عبادت و پرستش اور غیر اللہ کی عبادت سے اعراض کے احکام واضح طور پر ملتے ہیں۔ ذیل میں اس کی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیے:

[ا] ......''اور خدا نے یہ سب باتیں فرمائیں کہ خداوند تیرا خدا جو تجھے ملک مصر سے اور غلامی کے گھر سے نکال لایا، میں ہوں۔ میرے حضور تو غیر معبودوں کو نہ ماننا۔ تو اپنے لیے کوئی تراشی ہوئی مورت نہ بنانا۔ نہ کسی چیز کی صورت بنانا جو اوپر آسمان میں یا نیچے زمین پر یا زمین کے نیچے پانی میں ہے، تو ان کے آگے سجدہ نہ کرنا اور نہ ان کی عبادت کرنا کیونکہ میں خداوند تیرا خدا غیور خدا ہوں۔'' [بائبل: کتاب خروج: باب ٢٠۔ آیات ١ تا ٦۔ پاکستانی بائبل سوسائٹی لاہور]

[۲] ......''اور خداوند نے موسیٰ سے کہا تو بنی اسرائیل سے یہ کہنا کہ تم نے خود دیکھا کہ میں نے آسمان پر سے تمہارے ساتھ باتیں کیں۔تم میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا یعنی چاندی یا سونے کے دیوتا اپنے لیے نہ گھڑ لینا۔'' [خروج :باب ۲۰۔آیات ۲۲،۲۳]

[۳] ......''کھودی ہوئی مورتوں کے بنانے والے سب کے سب باطل ہیں اور ان کی پسندیدہ چیزیں بے نفع۔ان ہی کے گواہ دیکھتے نہیں اور سمجھتے نہیں تاکہ پشیمان ہوں۔کسی نے کوئی بت بنایا یا کوئی مورت ڈھالی جس سے کچھ فائدہ ہو؟۔دیکھ اس کے سب ساتھی شرمندہ ہوں گے کیونکہ بنانے والے تو انسان ہیں ......بڑھئی سُوت پھیلاتا ہے اور نکیلے ہتھیار سے اس کی صورت کھینچتا ہے وہ اس کو رَندے سے صاف کرتا ہے اور پرکار سے اس پر نقش بناتا ہے۔وہ اسے انسان کی شکل بلکہ آدمی کی خوبصورت شبیہ بناتا ہے تاکہ اسے گھر میں نصب کرے۔وہ دیوداروں کو اپنے لیے کاٹتا ہے اور قسم قسم کے بلوط کو لیتا ہے اور جنگل کے درختوں سے جس کو پسند کرتا ہے۔وہ صنوبر کا درخت لگاتا ہے اور مینہ اسے سینچتا ہے۔تب وہ آدمی کے لیے ایندھن ہوتا ہے۔وہ اس میں سے کچھ سلگا کر تاپتا ہے۔وہ اس کو جلا کر روٹی پکاتا ہے بلکہ اس سے بت بنا کر اس کو سجدہ کرتا ہے۔وہ کھودی ہوئی مورت بناتا ہے اور اس کے آگے منہ کے بل گرتا ہے......اور اس سے التجا کر کے کہتا ہے مجھے نجات دے کیونکہ تو میرا خدا ہے۔وہ نہیں جانتے اور نہیں سمجھتے کیونکہ ان کی آنکھیں بند ہیں۔پس وہ دیکھتے نہیں اور ان کے دل سخت ہیں پس وہ سمجھتے نہیں بلکہ کوئی اپنے دل میں نہیں سوچتا اور نہ کسی کو معرفت اور تمیز ہے کہ اتنا کہے میں نے تو اس کا ایک ٹکڑا آگ میں جلایا اور میں نے اس کے انگاروں پر روٹی بھی پکائی اور میں نے گوشت بھونا اور کھایا۔اب کیا میں اس کے بقیہ سے ایک مکروہ چیز بناؤں؟'' [یسعیاہ:باب ٤٤ آیات ۱۰ تا ۲۰۔مزید اقتباسات کے لیے دیکھیے: کتاب استثناء:باب ٤۔آیت ۳۵،۳۹۔باب:٥ آیات ٦ تا ۹۔باب ٦ آیت ٤۔کتاب خروج:باب ۲۰۔آیات ۲ تا ۱٥۔یسعیاہ۔باب ٤٥ آیات ٥،٦۔باب ٤٦ آیت ۹۔انجیل متی۔باب ٤ آیت ۱۰۔باب ٦ آیت ۱۳۔]

موجودہ بائبل اور تصور خدا

موجودہ بائبل میں ایک اللہ کی عبادت اور بت پرستی کی مذمت کا ذکر تو جابجا ملتا ہے جیسا کہ پیچھے گزرا ہے۔ مگر خود اللہ تعالیٰ کے بارے میں بعض ایسی باتیں بھی موجود ہیں جو اللہ تعالیٰ کی شان و شوکت اور عظمت کے منافی ہیں مثلاً بائبل میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کرنے کے بعد غم اور حسرت کا اظہار کیا۔ [پیدائش :باب ٦ آیات ٦تا٨]

اسی طرح ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کو حضرت یعقوب علیہ السلام کے ساتھ کشتی لڑتے دکھایا گیا ہے۔ [ایضاً۔ باب ٣٢۔آیات ٢٤تا٢٨]

اسی طرح چھ دنوں میں کائنات بنانے کے بعد ساتویں دن اللہ تعالیٰ کو آرام کرنے کا محتاج ظاہر کیا گیا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی بعض ایسی صفات و عادات کا تذکرہ بھی جابجا ملتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے شایان شان نہیں۔ [اللہ تعالیٰ کی صفات کیا ہیں ان کا ذکر آگے آئے گا۔ ان شاء اللہ!]

ہندومت اور تصور الٰہ

برصغیر میں آباد لوگوں کی بڑی تعداد جس مذہب کی پیروکار ہے اسے ''ہندومت'' کہا جاتا ہے۔ یہ انتہائی قدیم مذہب ہے مگر اس مذہب کی نسبت نہ کسی نبی اور رسول کی طرف ہے اور نہ ہی ان کی کوئی الہامی کتاب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس مذہب کے ماننے والوں کے بنیادی عقائد سے لے کر جزوی اعمال تک ہر جگہ تضاد و اختلاف پایا جاتا ہے اور خود ہندو محققین و مؤرخین کو اس کا اعتراف بھی ہے۔

ہندومت میں تصور الٰہ 'تریمورتی' سے شروع ہوتا ہے اور ہندوؤں کے بقول 'تریمورتی' کا تصور یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ یعنی کائنات کا خالق و مالک (بھگوان) تین شکلوں میں ظاہر ہوا۔ ایک 'برہما'، دوسری 'وشنو' (اسے 'بشن' یا 'وشن' بھی کہا جاتا ہے) اور تیسری 'مہادیو' (اسے 'شیو' بھی کہا جاتا ہے)۔ ہندوؤں کے بقول برہما کا کام مخلوقات پیدا کرنا، وشنو کا کام مخلوق کو پالنا اور مہادیو کا کام تباہی و بربادی لانا ہے۔ ہندوؤں نے ان تینوں کی پہلے الگ الگ فرضی شکلیں (مورتیاں) بنائیں اور بعد میں ان تینوں کو متحد

کر کے ایک ایسے دیوتا کی شکل دے دی جس کے جسم پر بیک وقت تین سر ہیں۔ اسے ہی ان کے ہاں 'تریمورتی' کہا جاتا ہے۔

ہندوؤں کی مذہبی کتابوں میں ان تینوں دیوتاؤں کو انسانی شکل میں پیش کیا گیا ہے اوران کے بارے میں عجیب وغریب کہانیاں بیان کی گئی ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان تین دیوتا کے علاوہ اور بھی بے شمار دیوتا پیدا ہوئے۔ کوئی کسی کی میل کچیل سے، کوئی کسی کے غصے سے، کوئی راکھ اور خاک سے اور کوئی ان دیوتاؤں کے زنا کے نتیجے سے۔ حتی کہ بتوں، دیویوں اور دیوتاؤں کا یہ سلسلہ کروڑوں کی تعداد تک بڑھتا چلا گیا اور اب صورتحال یہ ہے کہ جاندار اشیا سے لے کر بے جان چیزوں تک، پودوں اور درختوں سے لے کر دریاؤں اور سمندروں تک، اجرام فلکی سے لے کر نا قابل ذکر اعضائے انسانی تک شاید ہی کوئی چیز ایسی ہو جس کی ہندو پرستش نہ کرتے ہوں۔

'ہندومت' چونکہ ایک مذہب کی بجائے فلسفہ کی حیثیت زیادہ رکھتا ہے، اس لیے اس میں عجیب فلسفیانہ بحثیں ملتی ہیں۔ ہندوؤں کا ایک فلسفہ ہے جسے 'وحدت الوجود' کہا جاتا ہے، اس فلسفہ کی رو سے کائنات میں دکھائی دینے والی ہر چیز خدا کی ذات کا حصہ اور جزو لاینفک ہے۔ (معاذ اللہ!) اسی طرح ہندومت میں ایک فلسفہ اوتار بھی ہے۔ اس کی رو سے اللہ تعالیٰ حسب ضرورت کسی بھی انسانی شکل میں نمودار ہو جایا کرتے ہیں۔ (معاذ اللہ!)

اسی طرح ہندومت میں ایک فلسفہ تناسخ بھی ہے۔ جسے 'آواگون' یا 'جونی چکر' بھی کہا جاتا ہے۔ اس فلسفہ تناسخ کو اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ انسان کی روح اس وقت تک اس دنیا میں مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتی رہتی ہے جب تک کہ وہ گناہوں سے پاک صاف نہ ہو جائے اور جب وہ ہر طرح کے گناہ سے پاک ہو کر مرے تو اس کی روح خدا تعالیٰ کی روح کے ساتھ جا ملتی ہے اور اسے دنیا میں بار بار مختلف شکلوں میں پیدا ہونے کے چکر سے نجات مل جاتی ہے اور ہندومت میں یہی ایک انسان کا اچھا انجام کار ہے۔ ہندومت کے ان نظریات پر تنقید اگلی فصلوں میں آئے گی۔

دنیا میں موجود دیگر ادیان و مذاہب

دنیا میں ایسے مذاہب بہت کم ہوئے ہیں جن میں ایک بڑے معبود (الٰہ) یا دوسرے لفظوں میں ایک خدا کے وجود کا انکار پایا جاتا ہو۔ عصر حاضر میں روس کے کیمونسٹوں کو منکرین خدا کی مثال کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح ماضی کی تاریخ میں بھی منکرین خدا کا کہیں کہیں وجود ملتا ہے مگر مجموعی طور پر انسانیت ہمیشہ خدا کے تصور کی قائل رہی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ایک خدا کو ماننے کے باوجود اس کے خدائی حقوق میں دوسروں کو شریک کرنا یا اس کی صفات کا غیر اللہ پر انطباق کرنا یا اس کی شان کے منافی تصورات قائم کرنا بھی انسانی تاریخ میں معمول رہا ہے۔ مثلاً بدھ مت کے بانی 'گوتم بدھ' کے بارے میں یہ بات تو قطعی طور پر ثابت نہیں کہ وہ خدا کا منکر تھا تاہم خدا کا قائل ہونے کے باوجود وہ فلسفہ وحدت الوجود کا قائل تھا جس کی رو سے کائنات کی ہر چیز خدا کی ذات کا حصہ ہے جب کہ گوتم بدھ کے بعد اس کے پیروکاروں نے اس کے مجسمے بنا کر اسے بھی خدا کی خدائی میں شریک بنالیا۔ بلکہ بعض نے تو اسے خدا کا اوتار قرار دے دیا۔ پھر آگے چل کر کئی اور لوگوں (مثلاً دلائی لامہ وغیرہ) کو خود گوتم بدھ کا اوتار قرار دے کر ان کے بھی مجسمے (بت) بنائے گئے اور ان کی بھی پوجا و پرستش شروع کر دی گئی۔

جس طرح بدھ مذہب ایک بت پرست مذہب کی شکل اختیار کر گیا، اسی طرح ایک خدا کو ماننے والے بے شمار مذاہب شرک اور بت پرستی کا مظہر بن گئے۔ مثلاً چین کے دو بڑے مذہب 'تاؤازم' اور 'کنفیوشس ازم' ہندوؤں کی طرح بے شمار دیویوں اور دیوتاؤں کی پرستش کے قائل ہیں حتیٰ کہ ان مذاہب کے پیروکار اپنے آباؤ اجداد کے بت بنا کر ان کی بھی عبادت کرتے ہیں۔ اسی طرح جاپان کے قومی مذہب 'شنٹو ازم' میں آگ، سورج، پانی، پہاڑ، ندی نالے، دریا اور سمندر وغیرہ ہر چیز کے دیوی دیوتا بنا کر ان کی پوجا کی جاتی ہے۔

مشرکین عرب کا تصور خدا

حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے وہ جلیل القدر پیغمبر ہیں جنہوں نے ساری زندگی

توحید کی دعوت میں صرف کی۔آپ نے اللہ کے حکم سے مکہ مکرمہ میں 'بیت اللہ' کی از سر نو تجدید تعمیر فرمائی اور اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو یہاں آباد کیا۔حضرت اسماعیل علیہ السلام بھی نبی ہوئے اور ان کی کوششوں سے عرب کا خطہ توحید سے منور ہو گیا مگر جیسے جیسے وقت گزرتا گیا ویسے ویسے باشندگان عرب کی توحید میں خلل واقع ہوتا چلا گیا۔اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد رسالت تک باشندگان عرب ایک اللہ ہی کو کائنات کا خالق ومالک اور رازق وداتا تسلیم کرتے تھے مگر انہوں نے اس کے ساتھ ساتھ کچھ ایسے تصورات بھی قائم کر لیے تھے جو توحید باری تعالیٰ کے منافی تھے۔درج ذیل سطور میں ان کی کچھ تفصیل دی جاتی ہے۔

بت پرستی

ایک تو انہوں نے یہ کام کیا کہ اپنے نیک صالح اولیا اور بزرگوں کے بت بنا لیے اور ان کے لیے بھی وہ تمام مراسم عبادت بجالانے لگے جن کا حق اللہ کے سوا اور کسی کو حاصل نہیں۔مثلاً ان بتوں کے لیے حج وطواف کیا جاتا،ان کے لیے نذریں مانی جاتیں اور نیازیں دی جاتیں،ان کے نام پر جانور قربان کیے جاتے،ان کے لیے اپنے مال اور پیداوار سے حصہ نکالا جاتا۔بت پرستی کا یہ عالم تھا کہ خود اللہ تعالیٰ کے مقدس گھر میں مشرکین مکہ نے تین سو ساٹھ بت نصب کر رکھے تھے حتی کہ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کیا تو ان سارے بتوں کو جلا کر راکھ بنا دیا گیا۔ان بتوں کی پرستش اور انہیں مافوق الاسباب قوتوں کا مالک سمجھ کر پکارنے کی تردید قرآن نے اس طرح سے کی ہے:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ﴾[الاعراف-۱۹۴]

''واقعی تم اللہ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہو وہ بھی تم ہی جیسے بندے ہیں سو تم ان کو پکارو تو پھر ان کو چاہیے کہ تمہارا کہنا پورا کر دیں اگر تم سچے ہو!''

ملائکہ پرستی

اسی طرح مشرکین عرب فرشتوں کی بھی پرستش کیا کرتے تھے کیونکہ ان کا خیال تھا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں لہذا ان کی پرستش سے ہمیں اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل ہوگا۔ ملائکہ پرستی کے حوالے سے مشرکین کا نقطہ نظر قرآن میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

﴿وَجَعَلُوا الْمَلَائِكَةَ الَّذِينَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ إِنَاثًا أَشَهِدُوا خَلْقَهُمْ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْأَلُونَ وَقَالُوا لَوْ شَاءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنَاهُمْ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ إِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ﴾ [الزخرف۔۱۹،۲۰]

"انہوں نے ملائکہ (فرشتوں) کو جو رحمان کے بندے ہیں، عورتیں قرار دے لیا ہے۔ کیا ان کی پیدائش کے موقع پر یہ موجود تھے؟ ان کی یہ گواہی لکھ لی جائے گی اور ان سے (اس چیز کی) باز پرس کی جائے گی۔ اور (یہ مشرکین) کہتے ہیں کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم ان کی عبادت نہ کرتے۔ انہیں اس کی کچھ خبر نہیں، یہ تو صرف اٹکل پچو (جھوٹ باتیں) کہتے ہیں۔"

جنات پرستی

مشرکین عرب سمجھتے تھے کہ شاید ملائکہ اور جنات ایک جیسی مخلوق ہے چنانچہ وہ جنات کو بھی اللہ تعالیٰ کا رشتہ دار کہا کرتے اور اسی مناسبت سے جنات کی بھی عبادت کیا کرتے تھے۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَجَعَلُوا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا﴾ [الصّٰفّٰت۔۵۸]

"یعنی انہوں نے اللہ اور جنوں کے درمیان رشتہ داری قرار دے دی۔"

﴿وَجَعَلُوا لِلّٰهِ شُرَكَاءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوا لَهُ بَنِينَ وَبَنٰتٍ بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ [الانعام۔۱۰۰]

"اور انھوں نے اللہ کے ساتھ جن شریک ٹھہرا لیے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ ان کا خالق ہے اور انھوں نے علم کے بغیر خدا کے لیے بیٹے اور بیٹیاں تجویز کر لی ہیں۔"

نیز وہ مصیبت اور خوف کے وقت انہی جنوں سے پناہ مانگتے تھے۔ ارشاد باری ہے:

﴿كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْإِنْسِ يَعُوذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ﴾ [الجن۔٦]
''انسانوں میں سے کچھ لوگ جنوں میں سے کچھ لوگوں کی پناہ مانگا کرتے تھے۔''

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب مشرکین عرب اللہ تعالیٰ کو خالقِ کائنات اور رازقِ مخلوقات تسلیم کرتے تھے تو پھر اس کے باوجود وہ اللہ تعالیٰ کے حقوقِ عبادت میں جنات، فرشتوں اور اپنے اولیا اور اُن کے بنائے ہوئے بتوں کو کیوں شریک ٹھہراتے تھے؟ قرآن مجید نے اس سوال کا جواب کچھ اس طرح دیا ہے:

﴿وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ قُلْ اَتُنَبِّئُوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾ [یونس ۔١٨]

''اور یہ لوگ اللہ (واحد کو) چھوڑ کر ان کی عبادت کرتے ہیں جو نہ ان کو ضرر پہنچا سکیں اور نہ ان کو نفع پہنچا سکیں اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں۔ آپ کہہ دیجیے کہ کیا تم اللہ کو ایسی چیز کی خبر دیتے ہو جو اللہ تعالیٰ کو معلوم نہیں، نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں، وہ پاک اور برتر ہے ان لوگوں کے شرک سے۔''

﴿وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى﴾

[الزمر ۔٣،٢]

''جن لوگوں نے اس کے سوا اولیاء بنا رکھے ہیں (وہ کہتے ہیں کہ) ہم ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ یہ (بزرگ) اللہ کی نزدیکی کے مرتبہ تک ہماری رسائی کردیں۔''

گویا وہ انہیں اللہ کے ہاں اپنا سفارشی سمجھتے ہوئے ان کی عبادت کرتے تھے، مگر اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا ان دونوں آیات میں ان کی اس دلیل کا صاف طور پر رد فرما کر اسے لغو قرار دے دیا۔ لہٰذا اب بھی اگر کوئی شخص اسی دلیل کے ساتھ انبیا کرام اور بزرگانِ دین کو پکارنے یا ان کا واسطہ وسیلہ دینے کو جائز سمجھتا ہے تو اسے مذکورہ آیات کی روشنی میں خود ہی اپنے رویے پر غور کر لینا چاہیے!

❁ .... ❁ .... ❁

تیسری فصل

اسلام کا تصورِ الٰہ (تعارف باری تعالیٰ)

اسلام نے الٰہ اور معبود کا جو تصور پیش کیا ہے اسے جاننے کا واحد ذریعہ وحی الٰہی ہے جو قرآن وحدیث کی شکل میں ہمارے پاس موجود ہے۔ قرآن وحدیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ الٰہ وہی ہوسکتا ہے جو خالق ہو مخلوق نہ ہو، قادر مطلق ہو محتاج نہ ہو، غنی ہو فقیر نہ ہو، مالک الملک ہو غلام نہ ہو، مختار کل ہو بے بس نہ ہو، ساری کائنات اس کے قبضہ میں ہو اور کوئی چیز اس کے تصرف سے باہر نہ ہو۔ ہر خوبی اس میں موجود ہو اور اس میں کوئی عیب نہ ہو۔ یکتا، تنہا اور اکیلا ہو، اس کے خلق، امر، علم، تصرف، قدرت، افعال اور صفات میں نہ کوئی اس کا شریک ہو اور نہ معاون، بلکہ وہ اپنے افعال وصفات میں کسی شریک کی شراکت اور معاون کی معاونت کا محتاج نہ ہو۔ وہ جبار وقہار بھی ہو اور رحمان ورحیم بھی۔ وہ غیور بھی ہو اور حلیم بھی۔ وہ ہر وقت اپنی مخلوق پر نظر رکھنے والا بھی ہو اور قدرت رکھنے والا بھی۔ اپنی مخلوق پر ہر طرح کا انعام کرنے والا بھی ہو اور بوقت ضرورت انہیں عذاب دینے کا اختیار رکھنے والا بھی۔ وہ آن واحد میں ساری کائنات کو تباہ وبرباد کرنے کی قدرت رکھنے والا بھی ہو اور لفظ کُنْ (ہوجا) کہہ کر پھر سے وجود بخشنے کی طاقت رکھنے والا بھی ہو۔

یہ تمام خوبیاں اگر کسی میں ہوسکتی ہیں تو وہ ایک اللہ وحدہ لاشریک کی ذات ہے۔ آئندہ سطور میں ہم اللہ تعالیٰ کے تعارف کے حوالے سے ان چیزوں کو بیان کریں گے۔

اللہ تعالیٰ کا تعارف

جس طرح ہر ذی روح چیز ایک وجود رکھتی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی وجود رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات، ہاتھ، پاؤں، آنکھوں اور چہرے وغیرہ کا ذکر قرآن وحدیث میں موجود ہے مگر ساتھ ہی یہ بھی واضح کردیا گیا ہے کہ اللہ کا جسم، چہرہ، ہاتھ، پاؤں وغیرہ اس طرح نہیں جس طرح اس کی مخلوق کے ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾[الشوریٰ۔۱۱] ''اس کے مثل کوئی نہیں۔''

گویا خالق اور مخلوق کو ایک دوسرے کے ساتھ تشبیہ نہیں دی جا سکتی۔ مخلوق کے جسم و اعضا کی ہیئت و ترکیب اور کارکردگی وغیرہ تو ہم جانتے ہیں مگر خالق کے وجود و اعضا کی کنہ و حقیقت سے ہم واقف نہیں کیونکہ یہ چیزیں وحی کی رہنمائی کے بغیر معلوم نہیں ہو سکتیں اور وحی کے ذریعے ہمیں اللہ کے وجود (اور ہاتھ پاؤں وغیرہ) کے بارے میں تو بتایا گیا ہے مگر ان کی کنہ و حقیقت ہمیں نہ بتائی گئی اور نہ ہی دنیا میں اللہ تعالیٰ نے اپنا دیدار انسانوں کو کروایا۔ اس لیے ہم اتنی باتوں پر تو ضرور ایمان لاتے ہیں جتنی قرآن و حدیث میں ہمیں بتا دی گئی ہیں اور جس طرح بتائی گئی ہیں اسی طرح سے ہم انہیں تسلیم کرتے ہیں جبکہ جو کچھ ہم سے مخفی رکھا گیا اور بتایا نہیں گیا اس کے بارے میں ہم رائے زنی نہیں کرتے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کا تذکرہ اس طرح سے کیا ہے:

﴿وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهُ وَإِلَى اللّٰهِ الْمَصِيرُ﴾[آل عمران۔۲۸]

''اللہ تعالیٰ خود تمہیں اپنی ذات سے ڈرا رہا ہے اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔''

﴿كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ﴾[الانعام۔۵٦]

''تمہارے رب نے مہربانی فرمانا اپنی ذات پر مقرر کر لیا ہے۔''

مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے غصے کے مقابلہ میں اس کی رحمت زیادہ وسیع ہے جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ تخلیق کائنات سے فارغ ہوا تو اس نے عرش پر لکھ دیا: إِنَّ رَحْمَتِي تَغْلِبُ غَضَبِي[بخاری: کتاب التوحید (ح۷٤۰٤)]

''بے شک میری رحمت میرے غصے پر غالب ہے''

﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ﴾[سورۃ رحمٰن۔۲٦،۲۷]

''زمین پر جو ہیں سب فنا ہونے والے ہیں اور صرف تیرے رب کی ذات جو عظمت اور عزت والی ہے (وہی) باقی رہ جائے گی۔''

اللہ تعالیٰ کے چہرہ مبارک کا تذکرہ

﴿وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ﴾[البقرة ـ ١١٥]

''اور مشرق ومغرب کا اللہ تعالیٰ ہی مالک ہے پس تم جدھر کو منہ کرو ادھر ہی اللہ کا منہ (چہرہ) ہے۔''

﴿فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ﴾[الروم ـ ٣٨]

''پس قرابت دار کو، مسکین کو، مسافر کو ہر ایک کو اس کا حق دیجیے۔ یہ ان کے لیے بہتر ہے جو اللہ تعالیٰ کا چہرہ (دیکھنا) چاہتے ہیں۔''

واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کے چہرے کا دیدار قیامت کے روز ہوگا اور وہ بھی صرف اہل ایمان کو جیسا کہ آئندہ تفصیلات سے معلوم ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کے مبارک ہاتھوں کا تذکرہ

﴿قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ﴾[آل عمران ـ ٧٣]

''(اے نبی ﷺ) آپ کہہ دیجیے کہ فضل تو اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے وہ جسے چاہے اسے دے۔ اللہ تعالیٰ وسعت والا اور جاننے والا ہے۔''

﴿وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ﴾[المائدة ـ ٦٤]

''اور یہودیوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ انہی (یہودیوں) کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں اور ان (یہودیوں) کے اس قول کی وجہ سے ان پر لعنت کی گئی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں وہ جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے۔''

﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾[الملك :١]

''بہت بابرکت ہے وہ (اللہ) جس کے ہاتھ میں ساری بادشاہی ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔''

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اللہ کا ہاتھ بھرا ہوا ہے۔ رات دن کی سخاوت اس سے کچھ بھی کم نہیں کرتی۔ آپ ﷺ نے (مزید) فرمایا: کیا تمہیں علم ہے کہ جب سے اس نے آسمان وزمین پیدا کیے ہیں تب سے اس نے جتنا خرچ کیا ہے، اس نے بھی اس میں کوئی کمی پیدا نہیں کی جو اس کے ہاتھ میں ہے۔[بخاری: کتاب التوحید والرد علی الجهمية وغيرهم (٧٤١١)]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن زمین اس (اللہ تعالیٰ) کی مٹھی میں ہوگی اور آسمان اس کے داہنے ہاتھ میں ہوگا۔ پھر وہ کہے گا کہ میں بادشاہ ہوں۔[بخاری: ایضا (٧٤١٢)]

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک یہودی اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آیا اور اس نے کہا اے محمد ﷺ! کیا اللہ تعالیٰ تمام آسمانوں کو ایک انگلی پر اٹھالے گا اور زمین کو بھی ایک انگلی پر اور تمام پہاڑوں کو ایک انگلی پر اور تمام درختوں کو ایک انگلی پر اور تمام مخلوقات کو ایک انگلی پر اور پھر فرمائے گا کہ میں بادشاہ ہوں؟ (یہ بات اس نے بڑے تعجب سے کہی) اس کے بعد اللہ کے رسول ﷺ مسکرادیے حتی کہ آپ کے دانت دکھائی دینے لگے پھر آپ نے یہ آیت پڑھی:

﴿وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ﴾[الانعام: ٩١]

''اور انہوں نے اللہ کی ویسی قدر نہ کی جیسی اس کا حق تھا۔''

حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ (اس یہودی کی باتوں پر) ازراہ تعجب اور اس کی تصدیق کرتے ہوئے ہنسے تھے۔[بخاری: ایضا(ح ٧١١٤)]

اللہ تعالیٰ کی بابرکت آنکھوں کا تذکرہ

﴿فَاَوْحَيْنَا اِلَيْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا﴾[المؤمنون۔٢٧]

''پھر ہم نے اس (نوح علیہ السلام) کی طرف وحی بھیجی کہ تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہماری وحی کے مطابق ایک کشتی بنا۔''

﴿وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ﴾ [هود۔٣٧]

”اور ایک کشتی ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہماری وحی سے تیار کر اور ظالموں کے بارے میں ہم سے کوئی بات چیت نہ کرو وہ پانی میں ڈبو دیے جانے والے ہیں۔“

﴿وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِيْنَ تَقُوْمُ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَإِدْبَارَ النُّجُوْمِ﴾[الطور۔۴۸،۴۹]

”تو اپنے رب کے حکم کے انتظار میں صبر سے کام لے، بے شک تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔ صبح کو جب تو اٹھے اپنے رب کی پاکی اور حمد بیان کر، اور رات کو بھی اس کی تسبیح پڑھ“۔

﴿وَحَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ تَجْرِيْ بِاَعْيُنِنَا جَزَآءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ﴾[القمر۔۱۳،۱٤]

”اور ہم نے اسے تختوں اور کیلوں والی (کشتی) پر سوار کرلیا۔ جو ہماری آنکھوں کے سامنے چل رہی تھی۔ بدلہ اس کی طرف سے جس کا کفر کیا گیا تھا۔“

اللہ تعالیٰ کے پاؤں مبارک کا تذکرہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”یلقی فی النار وتقول هل من مزید حتی یضع قدمه فتقول قط قط“[بخاری: کتاب التفسیر :باب قوله وتقول هل من مزید (٤٨٤٨،٤٨٤٩)مسلم (٢٨٤٨،٢٨٤٦)]

”جہنم کو بھر دیا جائے گا اور وہ کہے گی: ’اور کچھ لاؤ‘ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس میں اپنا پاؤں مبارک رکھ دیں گے تو وہ کہے گی: بس! بس!“

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جنت اور دوزخ نے آپس میں بحث کی، دوزخ نے کہا کہ میں متکبروں اور ظالموں کے لیے خاص کی گئی ہوں۔ جنت نے کہا کہ مجھے کیا ہوا کہ میرے اندر صرف کمزور اور کم رتبہ والے لوگ داخل ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے جنت سے کہا کہ تو میری رحمت ہے، تیرے ذریعے میں اپنے بندوں میں سے جس پر چاہوں رحم کروں گا اور دوزخ

سے کہا کہ تو عذاب ہے، تیرے ذریعے میں اپنے بندوں میں سے جس کو چاہوں عذاب دوں گا۔ جنت اور دوزخ دونوں بھر جائیں گی۔ دوزخ تو اس وقت تک نہیں بھرے گی جب تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا پاؤں مبارک اس پر نہ رکھ دیں گے اور پھر وہ کہے گی کہ بس بس، اور اس وقت وہ بھر جائے گی اور اس کا بعض حصہ بعض دوسرے حصے پر چڑھ جائے گا اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے کسی پر بھی ظلم نہیں کرے گا اور جنت (کو بھرنے) کے لیے اللہ تعالیٰ ایک مخلوق پیدا کرے گا۔" [بخاری : کتاب التفسیر :باب قوله :وتقول هل من مزيد (٤٨٥٠)]

اللہ تعالیٰ کی پنڈلی مبارک کا تذکرہ

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی پنڈلی مبارک کا تذکرہ اس طرح کیا گیا ہے:

﴿يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّيُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ وَقَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ وَهُمْ سَالِمُوْنَ﴾

[القلم ـ ٤٢،٤٣]

"جس دن پنڈلی کھول دی جائے گی اور سجدے کے لیے بلائے جائیں گے تو (سجدہ) نہ کر سکیں گے۔ نگاہیں نیچی ہوں گی اور ان پر ذلت وخواری چھا رہی ہوگی حالانکہ یہ سجدے کے لیے (اس وقت بھی) بلائے جاتے تھے جب کہ یہ صحیح سالم تھے۔"

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرما رہے تھے کہ

"ہمارا پروردگار قیامت کے دن اپنی پنڈلی کھول دے گا، اس وقت تمام مومن مرد اور مومنہ عورتیں اس کے لیے سجدہ ریز ہو جائیں گے۔ صرف وہ لوگ باقی رہ جائیں گے جو دنیا میں شہرت اور ناموری کے لیے سجدہ کرتے تھے۔ جب وہ سجدہ کرنا چاہیں گے تو ان کی پیٹھ تختہ ہو جائے گی" (اور سجدہ کے لیے جھکنا ان کے لیے ناممکن ہو کر رہ جائے گا)[بخاری : کتاب التفسیر : باب: یوم یکشف عن ساق (٤٩١٩) مسلم (١٨٣)]

اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (سب

سے پہلے) اللہ تعالیٰ ہی تھا اور اللہ سے پہلے کوئی چیز نہ تھی اور اللہ کا عرش پانی پر تھا پھر اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور لوح محفوظ میں ہر چیز کو لکھ دیا۔[بخاری: کتاب التوحید : باب : و کان عرشه علی المآء ......(۷٤۱۸) مسلم : کتاب القدر]

یہی بات سورۂ ھود میں اس طرح بیان کی گئی ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ﴾[ھود۔۷]

"اللہ ہی وہ ذات ہے جس نے چھ دن میں آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور (پہلے) اس کا عرش پانی پر تھا۔"

اب اللہ تعالیٰ آسمانوں سے اوپر اپنے عرش پر مستوی ہیں اور کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کے علم وقدرت میں ہے۔قرآن وحدیث سے اس کے چند دلائل ذیل میں ذکر کیے جاتے ہیں:

﴿ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِيَ تَمُوْرُ اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يُّرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا فَسَتَعْلَمُوْنَ كَيْفَ نَذِيْرِ﴾

[الملك ۔١٦، ١٧]

"کیا تم اس بات سے بےخوف ہو گئے کہ آسمانوں والا تمہیں زمین میں دھنسا دے اور اچانک زمین لرزنے لگے۔یا کیا تم اس بات سے نڈر ہو گئے ہو کہ آسمانوں والا تم پر پتھر برسا دے؟ پھر تو تمہیں معلوم ہو ہی جائے گا کہ میرا ڈرانا کیسا تھا۔"

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں پر ہیں۔اس کی مزید تائید بخاری ومسلم کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے (ایک موقع پر) فرمایا:

"الا تأمنونی وانا امین من فی السمآء یاتینی خبر السمآء صباحا ومساء"

[بخاری : کتاب المغازی :باب بعث علی بن ابی طالب ......(٤٣٥١)مسلم (١٠٦٤)]

"تم مجھ پر اعتبار کیوں نہیں کرتے حالانکہ اس اللہ نے مجھ پر اعتبار کیا ہے جو آسمان پر ہے اور اس آسمان والے کی وحی صبح وشام میرے پاس آتی ہے۔"

﴿اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ﴾[فاطر۔ ١٠]

''تمام تر پاکیزہ کلمات اسی کی طرف چڑھتے ہیں اور نیک عمل اس کو بلند کرتا ہے۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی طرف پاکیزہ کلمات کے اوپر چڑھنے کا معنی یہ ہے کہ فرشتے لوگوں کے نیک اعمال کو لے کر اللہ تعالیٰ کے پاس آسمانوں پر چڑھتے ہیں جیسا کہ درج ذیل حدیث سے معلوم ہوتا ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''رات کے فرشتوں اور دن کے فرشتوں کی تمہارے پاس آمد ورفت مسلسل جاری رہتی ہے اور فجر اور عصر کی نمازوں میں (رات اور دن کے فرشتوں کا) اکٹھ ہوتا ہے۔ پھر تمہارے پاس رات بھر رہنے والے فرشتے جب اوپر (آسمان پر) چڑھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتے ہیں حالانکہ وہ ان سے بہت زیادہ اپنے بندوں کے متعلق جانتے ہیں، کہ میرے بندوں کو تم کس حال میں چھوڑ کر آئے ہو۔ وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم نے جب انہیں چھوڑا تو وہ (فجر کی) نماز پڑھ رہے تھے۔ اور جب ان کے پاس گئے تھے، تب بھی وہ (عصر کی) نماز پڑھ رہے تھے۔'' [بخاری: کتاب مواقیت الصلاۃ۔ باب: فضل صلاۃ العصر (٥٥٥) مسلم (٦٣٦)]

حضرت معاویہ بن حکم سلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میری ایک باندی تھی جو احد پہاڑ اور جوانیہ مقام کی طرف میری بکریاں چرانے لے جایا کرتی تھی۔ ایک دن مجھے معلوم ہوا کہ ان بکریوں میں سے ایک بکری کو بھیڑیا اٹھا کر لے گیا ہے۔ میں بھی اولاد آدم سے ہوں اور مجھے بھی اسی طرح افسوس لاحق ہوتا ہے جس طرح دوسروں کو ہوتا ہے لیکن میں نے انتہا ہی کیا کہ اس باندی کو ایک زوردار تھپڑ مار دیا پھر میں اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آیا (اور یہ بات آپ کو بیان کی) تو آپ پر میرا یہ عمل بڑا گراں گزرا چنانچہ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا میں اس باندی کو (اس تھپڑ کے بدلے) آزاد نہ کردوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسے میرے پاس لاؤ۔ چنانچہ میں اس باندی کو لے کر دوبارہ اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوگیا۔ آپ ﷺ نے اس باندی سے پوچھا کہ ''اَيْنَ اللّٰه؟'' اللہ کہاں ہے؟ اس نے کہا، آسمان پر۔ پھر آپ ﷺ نے پوچھا

کہ میں کون ہوں؟ اس نے کہا، کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ پھر آپ نے مجھ سے فرمایا کہ اسے آزاد کردو یہ تو مومنہ ہے۔" [مسلم : کتاب المساجد :باب تحریم الکلام فی الصلاۃ ......(۵۳۷)ابوداؤد(۹۳۰)]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

" الراحمون یرحمهم الرحمٰن ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السمآء" [صحیح سنن الترمذی للالبانی (۱۵۶۹)]

"رحم کرنے والوں پر رحمان بھی رحم کرتا ہے۔ تم اہل زمین پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔" اس حدیث کا ترجمہ حالی نے اس طرح کیا ہے:

کرو مہربانی تم اہل زمیں پر خدا مہرباں ہوگا عرش بریں پر

اللہ تعالیٰ کے قرب و معیت کا مسئلہ

گزشتہ سطور میں قرآن وحدیث کے جو دلائل بیان کیے گئے ہیں ان سے پوری صراحت کے ساتھ یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں کے اوپر عرش پر ہیں، اس کائنات میں ہر جگہ اور ہر چیز میں حلول کیے ہوئے نہیں ہیں جیسا کہ وحدۃ الوجود اور حلول کا عقیدہ رکھنے والوں کا خیال ہے۔ البتہ قرآن مجید کی بعض آیات میں بیان ہوا ہے کہ "اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہیں" [دیکھئے:سورۃ محمد۔آیت ۳۵] یا ایک مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں" [سورۃ ق۔۱۶]

ان سے یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ عرش پر اور آسمانوں کے اوپر ہیں تو ہر انسان کے ساتھ ہونے اور اس کی شہ رگ سے بھی قریب ہونے کا کیا مطلب؟

جمہور ائمہ سلف ان آیات کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ہر انسان کے ساتھ ہونے اور شہ رگ سے بھی قریب ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنے علم وقدرت کے لحاظ سے ہر ایک کے ساتھ ہے۔ ماضی قریب میں بعض عرب علمانے علمائے سلف کے اس نقطۂ نظر کو بھی 'تاویل' قرار دے دیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ جس طرح عرش پر ہیں اسی طرح ہر انسان کے ساتھ ہیں۔ البتہ عرش پر ہونے کی کیفیت جس طرح بیان نہیں کی جاسکتی اسی طرح ہر

انسان کے ساتھ ہونے کی کیفیت بھی بیان نہیں کرنی چاہیے۔اس سے اگرچہ حلول واتحاد کے نظریہ کا شبہ ہوتا ہے مگر جن عرب علما نے یہ موقف اختیار کیا وہ حلول واتحاد جیسے نظریات کو گمراہانہ قرار دیتے ہیں۔

ان کے برعکس عرب علما کی بڑی تعداد جن میں شیخ ابن بازؒ سرفہرست ہیں، کا نقطۂ نظر وہی ہے جو جمہور ائمہ سلف کا ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات تو عرش پر مستوی ہے جب کہ اللہ تعالیٰ اپنے علم وقدرت اور سمع وبصر کے لحاظ سے ہر انسان کے ساتھ ہیں۔

اس مسئلہ میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا نقطۂ نظر کافی متوازن ہے۔ذیل میں اس کا خلاصہ ہم اپنے الفاظ میں درج کر رہے ہیں۔شیخ فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن مجید میں اور اپنے رسول کی زبان سے اپنی ذات کے بارے میں یہ وصف بیان کیا ہے کہ وہ بلند وبالا اور عرش پر مستوی ہے......اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے بارے میں قرب ومعیت کا وصف بھی بیان کیا ہے یہ معیت دو طرح کی ہے ایک معیت عامہ اور دوسری معیت خاصہ......

[معیت عامہ کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے علم کے اعتبار سے ساری مخلوق کے ساتھ ہے اور ان کے تمام حرکات وسکنات اور افعال واعمال سے مطلع ہے جب کہ معیت خاصہ کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنی نصرت وتائید کے لحاظ سے اپنے انبیا واولیاء اور نیک بندوں کا خصوصی دھیان رکھتا ہے اور بوقت ضرورت آسمانوں کے اوپر ہی سے ان کی مدد فرماتا ہے...... (مجموع الفتاوی: ج۵: ص۱۴۳، ص۲۹۵تا۲۹۹)]

معیت باری تعالیٰ کے بارے میں لوگوں کی چار اقسام ہیں۔ایک قسم تو جہمیہ کی ہے جو اللہ تعالیٰ کی ہر صفت کی نفی کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو نہ کائنات کے اندر مانتے ہیں نہ اس سے خارج، نہ اوپر مانتے ہیں اور نہ نیچے......

دوسرا گروہ ان لوگوں کا ہے جو یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر جگہ موجود ہے۔ان میں فرقہ نجاریہ اور فرقہ جہمیہ کے صوفیا وزہاد اور عام لوگ شامل ہیں۔ان سب کے بقول کائنات میں دکھائی دینے والی ہر چیز ذات باری تعالیٰ ہے جس طرح کہ وحدت الوجود اور حلول واتحاد کے قائلین کا نظریہ ہے۔یہ لوگ 'قرب ومعیت' سے متعلقہ

نصوص (آیات) کو اپنی تائید میں پیش کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے 'علو و استواء' سے متعلقہ نصوص میں تاویلیں کرتے ہیں۔

تیسری قسم ان لوگوں کی ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عرش پر بھی ہے اور ہر جگہ پر بھی موجود ہے۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ ہم نصوص کا اقرار کرتے ہوئے ایسا کہتے ہیں اور ان نصوص کے ظاہری معنی کو چھوڑ نہیں سکتے۔ اس قسم میں بہت سے گروہ شامل ہیں ...... اس نقطہ نظر کے حامل اگرچہ پہلے دونوں گروہوں کے مقابلہ میں نصوص کے زیادہ قریب ہیں مگر اس کے باوجود حقیقت یہ ہے کہ یہ نقطہ نظر بھی غلط ہے اور کتاب وسنت کے منافی اور علمائے سلف کے اجماع کے خلاف ہے۔

چوتھی قسم ان لوگوں کی ہے جن میں اس امت کے سلف صالحین اور بڑے بڑے ائمہ کرام شامل ہیں۔ یہ لوگ قرآن وسنت میں مذکور چیزوں کو بغیر کسی تحریف کے تسلیم کرتے ہیں۔ ان لوگوں نے ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں سے اوپر اپنے عرش پر ہے۔ وہ اپنی مخلوق سے جدا اور مخلوق اس سے الگ ہے۔ اس کے ساتھ وہ اپنے علم کے اعتبار سے بالعموم تمام بندوں کے ساتھ ہے اور اپنی نصرت وتائید کے اعتبار سے بالخصوص اپنے انبیا و رسل اور اولیا کے ساتھ ہے''۔ [دیکھئے: مجموع الفتاوی (ج:۵ ص: ۱۴۰ تا ۱۴۳)]

چوتھی فصل

کیا اللہ تعالیٰ کا دیدار دنیا میں ممکن ہے؟

انسان کے لیے اللہ تعالیٰ کا دیدار ممکن ہے یا نہیں ،اس سلسلہ میں ایک رائے تو یہ ہے کہ ایسا ممکن نہیں۔ نہ دنیا میں اور نہ ہی آخرت میں۔ یہ رائے مشہور گمراہ فرقہ معتزلہ کی ہے جب کہ دوسری طرف طبقۂ صوفیا کی رائے ان کے برعکس یہ ہے کہ آخرت کے علاوہ دنیا میں بھی دیدار الٰہی ممکن ہے اور اس کے لیے سخت محنت اور ریاضت وعبادت کی ضرورت ہے۔ یہ غالی صوفیا کی رائے ہے۔ اس سلسلہ میں اگر قرآن وحدیث کا مطالعہ کیا جائے تو ان دونوں گروہوں کا نقطۂ نظر صریح طور پر غلط معلوم ہوتا ہے کیونکہ قرآن وحدیث کی رو سے آخرت میں اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوگا مگر دنیا میں کسی انسانی آنکھ کے لیے دیدار الٰہی ممکن نہیں کیونکہ قرآن مجید میں صراحت کے ساتھ یہ بتا دیا گیا ہے کہ

﴿ لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ﴾[الانعام۔۱۰۳]

''اس کو تو کسی کی نگاہ محیط نہیں ہو سکتی اور وہ سب نگاہوں کو محیط ہو جاتا ہے اور وہی بڑا باریک بین باخبر ہے۔''

اور خود نبی اکرم ﷺ نے بھی غیر مبہم انداز میں یہ فرما دیا کہ

((تعلموا انه لن يرى احد منكم ربه عزوجل حتى يموت))[مسلم: كتاب الفتن باب ذکر ابن صیاد (۹۵۔۷۳۵۶)]

''یہ بات یاد رکھنا کہ تم میں سے کوئی شخص بھی مرنے سے پہلے (یعنی دنیوی زندگی میں) اللہ تعالیٰ کو ہرگز نہیں دیکھ پائے گا۔''

اب اس کے باوجود کوئی شخص یہ کہے کہ دنیوی زندگی میں انسان اللہ تعالیٰ کو دیکھ سکتا ہے تو اس کی یہ بات گزشتہ قرآنی آیت اور صحیح حدیث نبوی کے صریح منافی ہے۔ یہاں یہ غلط

فہمی بھی نہیں ہونی چاہیے کہ شاید عام انسانوں کے لیے دیدار الٰہی ناممکن اور انبیاء ورسل اور اولیاء کے لیے ممکن ہے۔اس لیے کہ قرآن مجید نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ بیان کر کے اس غلط فہمی کا بھی ہمیشہ کے لیے ازالہ کر دیا اور یہ واضح کر دیا کہ انبیاء کے لیے بھی دنیوی زندگی میں انسانی آنکھوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا دیدار کر لینا ممکن نہیں ۔یہ واقعہ قرآن مجید میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

﴿وَلَمَّا جَآءَ مُوسٰى لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ قَالَ رَبِّ أَرِنِي أَنظُرْ إِلَيْكَ قَالَ لَن تَرَانِي وَلَٰكِنِ انظُرْ إِلَى الْجَبَلِ فَإِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهُ فَسَوْفَ تَرَانِي فَلَمَّا تَجَلَّىٰ رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا وَخَرَّ مُوسٰى صَعِقًا فَلَمَّا أَفَاقَ قَالَ سُبْحَانَكَ تُبْتُ إِلَيْكَ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُؤْمِنِينَ﴾ [الاعراف ـ ۱۴۳]

''اور جب موسیٰ ہمارے وقت پر آئے اور ان کے رب نے ان سے باتیں کیں تو (حضرت موسیٰ نے) عرض کیا کہ اے میرے پروردگار مجھ کو اپنا دیدار کرا دیجیے کہ میں آپ کو ایک نظر دیکھ لوں۔ارشاد ہوا کہ تم مجھ کو ہرگز نہیں دیکھ سکتے لیکن تم اس پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو،وہ اگر اپنی جگہ پر برقرار رہا تو تم بھی مجھے دیکھ سکو گے۔پس جب ان کے رب نے اس (پہاڑ) پر تجلی فرمائی تو تجلی نے اس پہاڑ کے پرخچے اڑا دیے اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔پھر جب ہوش میں آئے تو عرض کیا،بے شک آپ کی ذات منزہ ہے میں آپ کی جناب میں توبہ کرتا ہوں اور میں سب سے پہلے اس پر ایمان لانے والا ہوں۔''

اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر بلاتے اور بغیر دیدار کروائے براہ راست ان سے گفتگو فرمایا کرتے ۔ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا بھی شوق پیدا ہوا اور اسی شوق کے اظہار کے لیے انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دیدار کروانے کا مطالبہ کیا مگر اللہ تعالیٰ نے اپنا دیدار کروانے کے مطالبہ کا صاف انکار کر دینے کی بجائے ایسا انداز اختیار کیا جس سے پیغمبر نے جلد ہی حقیقت کو پا لیا کہ میرا یہ سوال مناسب حال نہ تھا اور ہوش وحواس بحال ہونے کے بعد وہ خود ہی اللہ سے معافی کے طلبگار ہوئے۔اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب کسی نبی اور رسول کے لیے اس دنیاوی زندگی میں دیدار الٰہی ممکن نہیں تو کسی غیر نبی کے لیے یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے؟!

آخرت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار

اس دنیوی زندگی میں تو اللہ تعالیٰ کا دیدار ممکن نہیں مگر مرنے کے بعد روز آخرت اہل ایمان کے لیے اللہ تعالیٰ کا دیدار خود اللہ تعالیٰ کے حکم سے ممکن ہو جائے گا اور یہ دیدار الٰہی اہل ایمان کے لیے سب سے بڑی نعمت اور سعادت ہوگی۔ اس سلسلہ میں بے شمار آیات اور صحیح احادیث موجود ہیں بغرض اختصار چند ایک کا تذکرہ کیا جاتا ہے:

﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ﴾[القیامة۔۲۲،۲۳]

''اس روز بہت سے چہرے تروتازہ اور بارونق ہوں گے، اپنے رب کی طرف دیکھتے ہوں گے۔''

غیر مسلموں کو اللہ تعالیٰ اپنے دیدار سے مشرف نہیں فرمائیں گے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمِ﴾

''ہرگز نہیں! یہ لوگ اس دن اپنے رب کے (دیدار) سے اوٹ میں رکھے جائیں گے۔ پھر یہ لوگ بالیقین جہنم میں جھونکے جائیں گے۔''[المطففین۔۱۵،۱۶]

((عن ابی هريرة قال :قال اناس يارسول الله هل نرى ربنا يوم القيامة؟ فقال هل تضارون في الشمس ليس دونها سحاب ؟قالوا :لايارسول الله، قال:هل تضارون في القمر ليلة البدر ليس دونه سحاب؟ قالوا:لايارسول الله، قال: فانكم ترونه كذلك)) [بخاری :کتاب الرقاق: باب الصراط جسر جهنم (ح٦٥٧٣)]

''حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کچھ لوگوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول کیا قیامت کے روز ہم اپنے رب کا دیدار کریں گے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا سورج کو دیکھنے میں اس وقت تمہیں کوئی مشکل ہوتی ہے جب اس کے آگے بادل نہ ہوں؟ لوگوں نے کہا: نہیں اللہ کے رسول، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر آسمان ابر آلود نہ ہو تو تمہیں چودھویں رات کے چاند کو دیکھنے میں کوئی دشواری ہوتی

ہے؟ صحابہ نے عرض کیا نہیں یا رسول اللہ۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ پھر تم اللہ تعالیٰ کو بھی اسی طرح (بغیر کسی دشواری کے) قیامت کے روز دیکھو گے۔" [مسلم: کتاب الایمان:باب معرفة طریق الرؤیة (۱۸۲)]

بعض روایات میں ہے کہ "صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ کیا ہم میں سے ہر (مسلمان) شخص اللہ تعالیٰ کو دیکھے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا جب دوپہر کو سورج نکلا ہو اور بادل نہ ہوں تو کیا ہر شخص اسے نہیں دیکھتا؟ لوگوں نے کہا دیکھتا ہے۔ تو آپ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم ضرور اپنے رب کا دیدار کرو گے اور اس میں کوئی مشقت تمہیں نہ ہوگی جس طرح کہ سورج دیکھنے میں تمہیں کوئی مشقت نہیں ہوتی۔" [محدث ناصر الدین البانی ؒ نے اس روایت کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھیے: السنة ،لابن ابی عاصم ،بذیل حدیث (٤٤٥)]

کیا آنحضرت ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا تھا؟

آنحضرت ﷺ نے معراج کے موقع پر اپنی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا تھا یا نہیں؟ اس سلسلہ میں اہل علم کے ہاں کچھ اختلاف پایا جاتا ہے اور اس اختلاف کی بنیادی وجوہات دو ہیں: ایک تو معراج کے حوالے سے سورۃ النجم کی چند آیات کے مفہوم کا تعین اور دوسری وجہ بعض صحابہ کے اقوال ہیں۔ جہاں تک سورۂ نجم کی آیات کے معنی و مفہوم کے تعین کا مسئلہ ہے تو اس سلسلہ میں ان آیات کو پہلے ملاحظہ کر لینا ضروری ہے۔

﴿وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى مَاضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَاغَوٰى وَمَايَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ذُوْمِرَّةٍ فَاسْتَوٰى وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْاَدْنٰى فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤاَوْحٰى مَاكَذَبَ الْفُؤَادُ مَارَاٰى اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَايَرٰى وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى اِذْيَغْشَى السِّدْرَةَ مَايَغْشٰى مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَاطَغٰى لَقَدْ رَاٰى مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى﴾ [النجم ـ ۱ تا ۱۸]

"قسم ہے ستارے کی جب وہ گرے، کہ تمہارے ساتھی نے نہ راہ گم کی ہے نہ وہ ٹیڑھی

راہ پر ہے اور نہ اپنی خواہش سے کوئی بات کہتے ہیں۔ وہ تو صرف وحی ہے جو اتاری جاتی ہے۔ اسے پوری طاقت والے فرشتے نے سکھایا ہے جو زورآور ہے۔ پھر وہ سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اور وہ بلند آسمان کے کناروں پر تھا۔ پھر نزدیک ہوا اور اتر آیا۔ پس وہ دو کمانوں کے بقدر فاصلہ رہ گیا بلکہ اس سے بھی کم۔ پس اس نے اللہ کے بندے کو وحی پہنچائی جو بھی پہنچائی۔ دل نے جھوٹ نہیں کہا جسے (پیغمبر نے) دیکھا۔ کیا تم جھگڑا کرتے ہو اس پر جو (پیغمبر) دیکھتے ہیں۔ تحقیق اس نے ایک مرتبہ اور بھی دیکھا تھا سدرۃ المنتھی کے پاس۔ اسی کے پاس جنۃ الماوی ہے۔ جب کہ سدرۃ کو چھپائے لیتی تھی وہ چیز جو چھپا رہی تھی۔ نہ تو نگاہ بہکی نہ حد سے بڑھی۔ یقیناً اس نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیوں میں سے بعض نشانیاں دیکھ لیں۔"

ان آیات میں درج ذیل باتیں قابل غور ہیں:

(۱)......معراج کے موقع پر آپ نے جو کچھ دیکھا وہ برحق تھا (آیات ۱۱، ۱۲، ۱۷)

(۲)......آپ نے زندگی میں دوسری مرتبہ کسی خاص ہستی کو دیکھا (آیت: ۱۳)

(۳)......آپ نے اپنے رب کی بعض بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں (آیت: ۱۸)

ان میں سے پہلی اور تیسری بات کا تعلق عالم بالا کی سیر، جنت اور جہنم کے مشاہدہ وغیرہ سے ہے اور یہی وہ نشانیاں تھیں جنہیں دکھانے کے لیے معراج کروائی گئی جیسا کہ سورۂ بنی اسرائیل کے آغاز میں معراج کا مقصد یہی بتایا گیا کہ

﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا﴾ [بنی اسرائیل - ۱]

"پاک ہے وہ اللہ تعالیٰ جو اپنے بندے کو رات ہی رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا جس کے آس پاس ہم نے برکت دے رکھی ہے، اس لیے کہ ہم اسے اپنی قدرت کے بعض نمونے دکھائیں۔"

سورۃ نجم کی آیت ۱۸ کی طرح یہاں سورۂ بنی اسرائیل میں بھی اللہ تعالیٰ نے یہ تو کہا ہے کہ ہم نے بعض اپنی نشانیاں آپ کو دکھانی تھیں مگر یہ نہیں فرمایا کہ ہم نے آپ کو اپنا دیدار کروانا تھا۔ اگر اللہ تعالیٰ نے اپنا دیدار بھی کروانا تھا تو یہ اتنی اہم بات تھی کہ اسے

صراحت کے ساتھ یہاں ضرور بیان کیا جاتا۔ یہ اس لیے بھی ضروری تھا کہ ایک طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کے مطالبے اور خواہش کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اپنا دیدار نہیں کروایا۔ جب کہ دوسری طرف بھی ایک نبی کا معاملہ ہے۔ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے برعکس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اپنا دیدار کروایا ہوتا تو اس خاص فضل الٰہی سے سکوت نہیں کیا جا سکتا تھا۔

سورۃ نجم کی آیات میں بیان ہونے والے اس نکتہ "کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری مرتبہ کسی ہستی کو دیکھا ہے" کی وضاحت خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادی کہ اس سے مراد جبریل علیہ السلام ہیں نہ کہ اللہ تعالیٰ۔ جیسا کہ صحیح مسلم کی ایک روایت میں حضرت مسروق (تابعیؒ) سے مروی ہے کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بیٹھا تھا۔ انہوں نے بیان فرمایا اے ابو عائشہ: (یہ مسروق کی کنیت تھی) تین باتیں ایسی ہیں کہ ان میں سے کسی نے ایک بھی بیان کی تو وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے گا۔ میں نے کہا کہ وہ کون سی ہیں؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ (ایک تو یہ ہے کہ) جس شخص نے یہ گمان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے، اس نے اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھا۔ مسروقؒ فرماتے ہیں کہ میں ٹیک لگائے بیٹھا تھا مگر یہ بات سن کر میں اٹھ بیٹھا اور عرض کیا، اے ام المؤمنین جلدی نہ فرمایئے، کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں کہا: ﴿وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ﴾ [التکویر: ۲۳] ﴿وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى﴾ [النجم۔ ۱۳] (یعنی ان آیات سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی خاص ہستی کو دیکھا ہے اور بادیٔ النظر میں معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہستی اللہ تعالیٰ کی ہوگی)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ اس امت میں سے سب سے پہلے میں نے ہی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ان (آیات سے پیدا ہونے والے شبہہ) کے متعلق دریافت کیا تھا اور آپؐ نے یہ جواب دیا تھا کہ

((انما هو جبريل لم اراه على صورته التى خلق عليها غير هاتين المرتين، رأيته منهبطا من السماء سادا عظم خلقه مابين السماء الى الارض))

"اس سے مراد تو جبریل علیہ السلام ہیں۔ میں نے ان کو ان کی اس اصلی صورت میں جس پر

اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کیا ہے، ان دو موقعوں کے علاوہ کبھی نہیں دیکھا۔ (ان دونوں مواقع پر) میں نے ان کو آسمان سے اترتے ہوئے دیکھا اور ان کی عظیم ہستی زمین وآسمان کے درمیان ساری فضا پر چھائی ہوئی تھی۔"

اس کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کیا تم نے یہ آیات نہیں سنیں:

﴿لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ﴾ [الانعام ۔۱۰۳]

"اس کو تو کسی کی نگاہ محیط نہیں ہو سکتی اور وہ سب نگاہوں کو محیط ہو جاتا ہے اور وہی بڑا باریک بین باخبر ہے۔"

﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ إِنَّهُ عَلِيٌّ حَكِيمٌ﴾ [الشوری ۔۵۱]

"ناممکن ہے کہ کسی بندہ سے اللہ تعالیٰ کلام کرے مگر وحی کے ذریعہ یا پردے کے پیچھے سے یا کسی فرشتہ کو بھیجے اور وہ اللہ کے حکم سے جو وہ چاہے وحی کرے، بے شک وہ برتر ہے حکمت والا ہے۔" [مسلم : کتاب الایمان :باب معنی قول اللہ عزوجل : ولقد راہ نزلۃ اخری ......(ح۱۷۷) نیز دیکھیے: بخاری: ۳۲۳۴، ۴۶۱۲، ۴۸۵۵، ۷۳۸۰، ۷۵۳۱]

اس صحیح حدیث سے صاف طور پر یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ سورۃ نجم میں جس ہستی کو دیکھنے کا ذکر ملتا ہے اس مراد جبریل علیہ السلام ہیں اللہ تعالیٰ نہیں۔ اور یہی بات دیگر صحابہ کرام مثلاً ابن مسعود، ابو ہریرۃ وغیرہ رضی اللہ عنہم نے بھی بیان کی ہے۔ [دیکھیے: بخاری : کتاب التفسیر: سورۃ النجم : باب (ح۱) مسلم : کتاب الایمان :باب معنی قول اللہ عزوجل :ولقد راہ نزلۃ اخری ......(ح۱۷۴تا۱۷۶)]

اختلاف کا دوسرا سبب

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دیدار الٰہی کے حوالے سے پیدا ہونے والے اختلاف کی بنیادی وجہ تو سورۃ نجم کی آیات کے مفہوم کا تعین تھی مگر جب اس کے تعین میں صحابہ کا اختلاف ہوا تو آگے چل کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مختلف اقوال خود اہل علم کے لیے اس مسئلہ میں اختلاف کا دوسرا سبب بن گئے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت انسؓ اور حضرت کعبؓ کے حوالے سے ایسی روایات ملتی ہیں جن میں ہے کہ ''آنحضرت ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا ہے۔'' حضرت کعبؓ اور حضرت انسؓ سے مروی روایات کی استنادی حیثیت تو اگرچہ مشکوک ہے مگر حضرت ابن عباسؓ کی بعض روایات بسند صحیح ثابت ہیں اور بعض بسند صحیح ثابت نہیں۔ ان سے جو روایات بسند صحیح ثابت ہیں ان میں یا تو مطلق طور پر یہ ذکر ہے کہ ((رأی محمد ربه)) [ترمذی: کتاب تفسیر القرآن: باب ومن سورة النجم (۳۲۷۹)]

''یعنی محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا''...... یا پھر تقیید کے ساتھ یہ الفاظ ملتے ہیں: ((راٰه بقلبه)) یعنی ''آنحضرت ﷺ نے اپنے دل سے اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔'' [مسلم: کتاب الایمان: باب معنی قول الله عزوجل: ولقد راه نزلة اخری ...... (ح۱۷۶، ۲۸٤)]

ایک صحیح روایت میں اس طرح ہے کہ ((رَاٰهُ بِفُؤَادِهٖ مَرَّتَيْنِ)) [ایضا (۲۸۵، ۲۸٦)] ''دو مرتبہ آپ نے اپنے رب کو دل سے دیکھا تھا۔'' جب کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی وہ روایات بسند صحیح ثابت نہیں جن میں یہ الفاظ ہیں: ((ان النبی رای ربه بعینه)) ''نبی اکرم ﷺ نے اپنے رب کو اپنے (سر کی) آنکھوں سے دیکھا ہے۔'' [یاد رہے کہ ایسی روایات معاجم طبرانی، ابن مردویہ اور دیگر کتب تفاسیر میں موجود ہیں]

گویا ابن عباس رضی اللہ عنہ کا موقف زیادہ سے زیادہ یہی تھا کہ آنحضرت ﷺ نے سر کی آنکھوں سے نہیں بلکہ دل کی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا تھا۔ مگر اس کے باوجود حضرت عائشہؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت ابو ہریرہؓ وغیرہ اس بات کو بھی تسلیم نہیں کرتے تھے۔

آنحضرت ﷺ کا فیصلہ

جمہور علمائے امت نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی بجائے اس مسئلہ میں دیگر صحابہ کرام کے موقف کو ترجیح دی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ خود حضور اکرم ﷺ سے بسند صحیح کچھ ایسی احادیث مروی ہیں جن میں آپ کی یہ صراحت مذکور ہے کہ میں نے اپنے رب کو نہیں دیکھا۔ اس نوعیت کی احادیث درج ذیل ہیں:

[۱]......((عن ابی ذر قال سَأَلْتُ رَسُولَ اللّٰهِ هَلْ رَأَيْتَ رَبَّكَ؟ قَالَ: نُورٌ، أَنّٰى أَرَاهُ؟ ....)) [مسلم : كتاب الايمان :باب فی قوله :نور انی اراه ...(۱۷۸)]

''حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے پوچھا: کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا تھا؟ آنحضرت ﷺ نے جواب دیا کہ وہاں تو نور تھا، میں بھلا اپنے رب کو کیسے دیکھ سکتا تھا؟''

[۲]......((عن عبدالله بن شقيق قال :قُلْتُ لِأَبِي ذَرٍّ :لَوْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ لَسَأَلْتُهُ، فقال :عَنْ أَيِّ شَيْءٍ كُنْتَ تَسْأَلُهُ؟ قال : كُنْتُ أَسْأَلُهُ :هَلْ رَأَيْتَ رَبَّكَ؟ قال ابو ذر :قَدْ سَأَلْتُهُ فقال :رَأَيْتُ نُورًا)) [مسلم :ايضا (ح۲۹۲، ۱۷۸)]

عبداللہ بن شقیق فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے کہا: اگر میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو دیکھا ہوتا تو میں آپ ﷺ سے ضرور سوال کر لیتا۔ حضرت ابوذرؓ نے کہا: تم کس چیز کے بارے میں سوال کرتے؟ میں نے کہا کہ میں آپ سے یہ سوال کرتا کہ کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا تھا؟ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ سوال تو میں نے بھی اللہ کے رسول ﷺ سے کیا تھا اور آپ نے اس کا یہ جواب دیا تھا کہ میں نے بس ایک نور دیکھا تھا۔ (اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا)

[۳]......((عن ابی موسیٰ قال: قام فينا رسول الله بخمس كلمات فقال: ......حِجَابُهُ النُّورُ (وفی روايه ابی بكر :اَلنَّارُ) لَوْ كَشَفَهُ لَأَحْرَقَتْ سُبُحَاتُ وَجْهِهِ مَا انْتَهٰى إِلَيْهِ بَصَرُهُ مِنْ خَلْقِهِ)) [مسلم : كتاب الايمان :باب فی قوله عليه السلام :ان الله لاينام ......(ح۱۷۹)]

''حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ ہمارے درمیان کھڑے ہوئے اور ہمیں پانچ باتیں بتائیں ......(ان میں ایک یہ تھی کہ) اللہ تعالیٰ کا پردہ نور ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اس پردے کو ہٹا دے تو اس کے چہرے کی شعاعیں وہاں تک اس کی مخلوق کو جلا کر خاکستر کر دیں، جہاں تک اس کی نگاہ پہنچے۔''

مذکورہ بالا تینوں احادیث میں سے پہلی حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ کا یہ فرمان تھا

کہ......''میں بھلا اللہ کو کیسے دیکھ سکتا ہوں'' دوسری حدیث میں یہ تھا کہ......''میں نے تو بس ایک نور دیکھا تھا۔'' اور تیسری حدیث میں اس نور کی وضاحت ہوگئی کہ......''وہ اللہ تعالیٰ کا پردہ تھا۔'' اور معراج کے موقع پر یہ پردہ اللہ تعالیٰ اور حضور ﷺ کے درمیان حائل تھا، اس لیے آپ اللہ تعالیٰ کو نہ دیکھ سکے بلکہ زیادہ سے زیادہ یہی نوری پردہ ہی آپ دیکھ پائے۔ علاوہ ازیں صحیح احادیث سے یہ بات بھی ثابت ہے کہ قیامت کے روز جب اللہ تعالیٰ اپنے اہل ایمان بندوں کو اپنا دیدار کروانا چاہیں گے تو اس نور کے پردہ کو اپنے سامنے سے ہٹادیں گے جیسا کہ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

جب جنت والے جنت میں داخل ہوجائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے فرمائیں گے: کیا تمہیں کوئی چیز چاہیے کہ میں مزید تمہیں عطا کروں؟ جنتی کہیں گے: (یا اللہ!) کیا آپ نے ہمارے چہروں کو منور نہیں فرمادیا؟ کیا آپ نے ہمیں جہنم سے بچا کر جنت میں داخل نہیں فرمادیا؟ (اب بھلا ہمیں اور کیا چاہیے) آپ ﷺ فرماتے ہیں:

((فیکشف الحجاب فما اعطوا شیئا احب الیھم من النظر الی ربھم عزوجل))[مسلم : کتاب الایمان :باب اثبات رؤیۃ المومنین فی الآخرۃ......(ح ۱۸۱)]

''پھر اللہ تعالیٰ (اپنا دیدار کروانے کے لیے) پردے کو ہٹادیں گے اور یہی دیدار الٰہی کی نعمت اہل جنت کے لیے سب سے پسندیدہ چیز ہوگی۔''

رؤیت باری تعالیٰ اور بعض ضعیف روایات:

اوپر بیان کردہ روایات تو وہ تھیں جو سنداً بالکل صحیح ہیں اور ان سے صاف طور پر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا دیدار نہیں کیا۔ جب کہ ان کے علاوہ بعض ایسی روایات بھی کتب احادیث وکتب تفاسیر میں منقول ہیں جن کا مفہوم مذکورہ بالا روایات کے منافی اور جن کی اسناد غیر ثابت شدہ ہیں۔ مثلاً تفسیر طبری میں ہے کہ محمد بن کعب قرظی نے چند صحابہ سے یہ روایت کیا کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے سوال کیا کہ کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ تو حضور ﷺ نے جواب دیا کہ ((رایتہ بفؤادی مرتین)) میں نے اپنے دل سے دومرتبہ اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا ہے۔[تفسیر طبری (ح۳۲٤٥٢)]

یہ روایت اس لیے ضعیف ہے کہ اس کی سند میں موسیٰ بن عبیدہ الربذی نامی راوی ضعیف ہے۔ اسی طرح ایسی کوئی بات صحیح احادیث میں نہیں ملتی کہ معراج کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے اپنے پردے ہٹا کر آنحضرت ﷺ کو اپنا دیدار کروایا ہو اور اپنے سامنے بٹھا کر گفتگو فرمائی ہو۔ اس لیے ایسی باتیں بیان یا تحریر کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔

حالت خواب میں اللہ تعالیٰ کا دیدار

گزشتہ تفصیلات سے یہ واضح ہو چکا ہے کہ اس دنیوی زندگی میں اللہ تعالیٰ کا دیدار کسی انسان کے لیے ممکن نہیں حتیٰ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے بھی یہ ممکن نہ ہوا اور خود نبی اکرم ﷺ نے بھی معراج کے موقع پر اپنی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا۔ البتہ بعض روایات میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خواب (نیند) کی حالت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا تھا۔ ان روایات کو امام ترمذی، اماحاکم، امام سیوطی، حافظ ابن کثیر اور بعض دیگر علما نے اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے۔ امام ترمذی نے اس سلسلہ میں یکے بعد دیگرے تین روایات اپنی ''جامع ترمذی'' میں نقل کی ہیں ان میں سے سب سے طویل روایت درج ذیل ہے:

''حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن صبح کی نماز میں اللہ کے رسول ﷺ نے بہت دیر لگا دی یہاں تک کہ سورج طلوع ہونے کا وقت آ پہنچا پھر جلدی جلدی آپ ﷺ تشریف لائے اور نماز کے لیے اقامت کہی گئی پھر آپ ﷺ نے مختصر (ہلکی) نماز پڑھائی اور سلام پھیرنے کے بعد اونچی آواز میں (لوگوں سے) فرمایا: اپنی اپنی صفوں میں بیٹھے رہو۔ پھر ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ مجھے نماز کے لیے آنے میں دیر کیوں ہوئی؟ میں اس کے بارے میں تمہیں بتاتا ہوں۔ ہوا یہ کہ میں نماز تہجد کے لیے رات بیدار ہوا پھر وضو کر کے حسب توفیق نماز پڑھی اور نماز ہی میں مجھے اونگھ آنے لگی اور میں بوجھل ہو گیا پھر اچانک میں دیکھتا ہوں کہ میں اپنے رب کے پاس ہوں اور میرا رب بہت ہی عمدہ صورت میں (دکھائی دیتا) ہے۔ مجھے رب تعالیٰ مخاطب فرماتے ہیں: اے محمد ﷺ! میں کہتا ہوں: یا رب! میں حاضر ہوں۔ رب تعالیٰ فرماتے ہیں: "ملاء اعلی" (عالم بالا کے فرشتے) کس معاملے میں بحث و تکرار کر رہے ہیں، تمہیں

علم ہے؟ میں نے کہا: نہیں! تین مرتبہ یہی سوال وجواب ہوا پھر میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے دونوں کندھوں کے درمیان اپنا ہاتھ رکھا یہاں تک کہ اللہ کی انگلیوں کی ٹھنڈک مجھے اپنے سینہ میں محسوس ہوئی.اور مجھ پر ہر چیز روشن ہوگئی اور میں نے پہچان لیا (کہ عالم بالا کے فرشتے اس وقت کس معاملے میں بحث وتکرار کر رہے ہیں) پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے مخاطب فرمایا: اے محمد ﷺ! میں نے کہا: یارب میں حاضر ہوں! پوچھا تمہیں معلوم ہے کہ عالم بالا کے فرشتے کس معاملے میں بحث وتکرار کر رہے ہیں؟ [ترمذی ہی کی دوسری روایت میں ہے کہ 'میں نے کہا جی ہاں! تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ پھر بتاؤ: میں نے کہا: گناہوں کے کفارے اور درجوں کے بارے میں تکرار کررہے ہیں۔'' (ترمذی ۔ ح ۳۲۳۴) جبکہ پہلی طویل روایت میں آگے یہ الفاظ ہیں کہ]اب میں نے کہا جی ہاں! تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ پھر بتاؤ: میں نے کہا: گناہوں کے کفارے کے بارے میں۔ پھر اللہ نے فرمایا: پھر تم بتاؤ کہ وہ کیا ہیں؟ میں نے کہا: نماز باجماعت کے لیے قدم اٹھا کر جانا، نمازوں کے بعد مسجدوں میں بیٹھے رہنا اور ناچاہتے ہوئے بھی مکمل وضو کرنا۔ پھر اللہ نے پوچھا: درجے کیا ہیں؟ میں نے کہا: کھانا کھلانا، نرم کلام کرنا اور رات کو جب لوگ سوئے ہوں، نماز پڑھنا۔''

[ترمذی : کتاب التفسیر القرآن :باب ومن سورة الزمر(ح ۳۲۴۱۔۳۲۴۲) امام ترمذیؒ نے اس روایت کو حسن صحیح قرار دیا ہے۔اسی طرح شیخ البانیؒ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔دیکھیے: صحیح الترمذی (۲۵۸۰،۲۵۸۱) عبدالرزاق مہدی نے امام شوکانیؒ کی تفسیر فتح القدیر کی تخریج میں اسے حسن قرار دیا ہے۔[دیکھیے:حدیث۔ ۲۲۸۳] نیز امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امام بخاریؒ سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ حدیث (حسن) صحیح ہے امام حاکمؒ نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے۔[دیکھیے: مستدرك حاكم (ج ۱/ص ۵۲۱)] اس حدیث کے کئی اور شواہد بھی ہیں[دیکھیے: تفسیر الدر المنثور (۵/۶ ۵۵تا۵۵۹) احمد(۵/ ۲۴۳)] واضح رہے کہ اس روایت میں نبی ﷺ کا اللہ تعالیٰ اور عالم بالا کا مشاہدہ کرنا حالت بیداری ہی میں تھا یا خواب میں؟ اس کے بارے میں اختلاف رائے ہے۔حافظ ابن کثیرؒ کے بقول صحیح یہ ہے کہ یہ واقعہ خواب کا ہے۔دیکھیے تفسیر ابن کثیر مترجم (۴/۶۵ ٤)طبع، مکتبه قدوسیه، لاهور]

پانچویں فصل

اللہ تعالیٰ کے بارے میں چند گمراہانہ نظریات!

۱)...... ہر چیز اللہ ہے، معاذ اللہ!

جس طرح بعض لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے وجود کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اسی طرح بعض لوگوں نے ان کے برعکس ہر نظر آنے والی چیز کو اللہ تعالیٰ ہی کی ذات کا حصہ قرار دے لیا اور کہا کہ جس طرح پانی بخارات میں تبدیل ہو یا برف کی شکل اختیار کرے، دونوں صورتوں میں اس کا وجود باقی رہتا ہے اور مناسب درجہ حرارت پر وہ دوبارہ پانی کی شکل میں نمودار ہو جاتا ہے یا جس طرح سورج کی روشنی کرنوں کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی ذات کائنات میں مختلف شکلوں میں ظاہر ہوئی ہے۔ کوئی الگ ذات باری تعالیٰ نہیں ہے...... معاذ اللہ!

اس نظریے کو وحدت الوجود کہا جاتا ہے۔ فارسی میں اس کے لیے ''ہمہ اُواَست'' [یعنی سب کچھ وہی (اللہ) ہے] کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔ اس نظریہ کے مطابق غلاظت کے ڈھیر اور پھولوں کے باغ، کافر و مشرک اور مومن و مسلم، پاکیزہ چیزیں اور نجاستیں سبھی کچھ برابر ہیں کیونکہ اس نظریے کی رو سے یہ سبھی چیزیں خدا ہیں...... معاذ اللہ!

۲)...... سب کچھ اللہ کا 'پرتو' (سایہ) ہے (وحدۃ الشہود)

وحدت الوجود میں تو اللہ تعالیٰ کی مستقل ذات کو تسلیم نہیں کیا جاتا بلکہ سب موجودات کو اللہ قرار دیا جاتا ہے مگر وحدت الشہود میں یہ خیال کارفرما ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ایک مستقل ذات موجود ہے جب کہ کائنات اس اللہ کا سایہ، پرتو اور عکس ہے۔ وحدۃ الشہود کے قائل اس کی مثال یہ دیتے ہیں کہ جس طرح شیشے یا پانی میں کسی چیز کا عکس دیکھا جاتا ہے اسی طرح کائنات اللہ کا عکس ہے اور جس طرح کسی چیز اور اس کے عکس کا باہمی تعلق ہوتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ اور کائنات کا باہمی تعلق ہے۔ وحدت الشہود کو فارسی میں 'ہمہ از اُوست' سے پکارا جاتا ہے۔ اس کا لفظی ترجمہ تو یہ ہے کہ ''جو کچھ بھی ہے سب اسی

(خدا) کی طرف سے ہے''۔ اگر اس سے مراد یہ لیا جائے کہ موجودات کا خالق اللہ ہی ہے تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں مگر وحدت الشہود کے قائل اس سے یہ مراد نہیں لیتے بلکہ وحدت الشہود کا مفہوم ان کے نزدیک یہ ہے کہ 'سب کچھ اللہ کا عکس (پرتو) ہے'۔ گویا وحدت الوجود اور وحدت الشہود میں کوئی بڑا فرق نہیں اور اگر کچھ فرق ہے بھی تو ان کے نتائج قریب قریب ایک ہی ہیں جیسا کہ آئندہ تفصیلات سے معلوم ہوگا۔

۳)......اللہ تعالیٰ انسان کی ذات میں اتر آتے ہیں (حلول واتحاد) معاذاللہ

ذات باری تعالیٰ کے حوالے سے ایک نظریہ یہ بھی پایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض اوقات کسی انسان کے جسم میں اتر آتے ہیں اور پھر اللہ تعالیٰ اور اس انسان میں کوئی فرق باقی نہیں رہتا (معاذاللہ) اسے 'حلول' یا 'اتحاد' کا نظریہ کہا جاتا ہے۔

وحدۃ الوجود، وحدت الشہود اور حلول واتحاد

مذکورہ بالا تینوں نظریات کو اس طرح بھی بیان کیا جاتا ہے کہ...... ''انسان عبادت وریاضت کے ذریعے اس مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ اسے ہر چیز میں اللہ تعالیٰ نظر آنا شروع ہو جاتا ہے اور اس کی نگاہوں سے وہ پردہ ہٹ جاتا ہے جس کی وجہ سے کائنات کی مختلف چیزیں مختلف صورتوں میں بالعموم نظر آتی ہیں۔ (اسے وحدۃ الوجود کا درجہ کہا جاتا ہے) پھر اگر وہ عبادت وریاضت میں مزید ترقی کرتا چلا جائے تو اس کی ذات اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ جا ملتی ہے۔ اور اس طرح وہ انسان اور اللہ تعالیٰ ایک ہی ذات بن جاتے ہیں۔ اس درجہ کو فنا فی اللہ کہا جاتا ہے۔ اور پھر اگر وہ مزید عبادت وریاضت میں ترقی کر لے اور اس کا نفس دنیوی خواہشات سے یکسر پاک صاف ہو جائے تو خود اللہ تعالیٰ کی ذات انسان کی ذات میں داخل ہو جاتی ہے۔ اسے ''حلول'' یا ''اتحاد'' کہا جاتا ہے۔''

ان نظریات کی حقیقت کیا ہے اور قرآن وسنت کی تعلیمات سے ان کے تعلق کی نوعیت کیا ہے۔ آئندہ سطور میں اس کی کچھ وضاحت ہم پیش کر رہے ہیں۔

عقیدہ حلول واتحاد

ہم یہ بات ثابت کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات آسمانوں سے اوپر عرش پر

ہے اور اللہ تعالیٰ اس دنیا کی زندگی میں انسانوں کو اپنا دیدار نہیں کرواتے حتی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے پڑنے والی معمولی سی تجلی کو برداشت نہ کر سکنے کی وجہ سے بے ہوش ہو گئے تھے۔ اس لیے یہ بات تسلیم نہیں کی جا سکتی کہ اللہ تعالیٰ اپنا عرش چھوڑ کر کسی انسان کے جسم میں داخل ہو جائیں یا کسی انسانی شکل میں نمودار ہو کر دنیا کا رخ اختیار کر لیں۔ بلکہ یہود و نصاریٰ جو یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ حضرت عزیر اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شکل میں دنیا میں نمودار ہوئے ان کی اللہ تعالیٰ نے تردید فرمائی اور ان کے اس نظریے کو کفر سے تعبیر فرمایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ﴾[المائدۃ۔۷۳]

''بے شک وہ لوگ کافر ہو گئے جن کا قول ہے کہ مسیح ابن مریم ہی اللہ ہے۔''

ہندو مت ایک قدیم مذہب ہے اس میں بھی حلول کا عقیدہ پایا جاتا ہے۔ ہندوؤں کے ہاں یہ 'عقیدہ اوتار' کہلاتا ہے۔ اس کے مطابق ہندوؤں کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض اوقات کسی خاص مقصد کے تحت انسانی شکل اختیار کر کے دنیا میں آ جاتے ہیں اور جس شخص کی شکل اللہ اختیار کرتا ہے اسے اللہ کا 'اوتار' کہا جاتا ہے۔ ہندوؤں کے بقول دس مرتبہ اللہ تعالیٰ انسانی شکل میں ظاہر ہوا ہے۔ (معاذاللہ)

مسلمانوں میں عقیدہ حلول کی داغ بیل ڈالنے والا عبداللہ بن سبا نامی ایک یہودی تھا جس نے بظاہر اسلام کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا۔ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جانشین اور خدائی صفات کا مظہر قرار دیتا تھا۔ اس نے جلد ہی اپنے معتقدین کی ایک جماعت بھی تیار کر لی۔ ایک دن اس کے کچھ عقیدت مند علی الاعلان بازار میں کھڑے ہو کر اپنے نظریے کا پرچار کر رہے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے غلام قنبر نے ان کی باتیں سن لیں۔ انہوں نے فوراً حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جا کر اطلاع دی کہ کچھ لوگ آپ کو خدا کہہ رہے ہیں اور آپ میں خدائی صفات مانتے ہیں۔ آپ نے انہیں بلایا اور ان سے پوچھا کہ میرے بارے میں تم کیا نظریات رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ آپ ہمارے رب اور خالق و رازق ہیں۔ آپ نے کہا: تم پر افسوس ہے میں تو تم جیسا ہی ایک انسان ہوں اور تمہاری طرح کھانے پینے کا محتاج بھی ہوں۔ اگر میں اللہ کی اطاعت کروں گا تو مجھے اجر ملے گا اور اگر اس کی نافرمانی کروں گا تو وہ مجھے بھی سزا دے گا لہٰذا تم بھی اسی خدا سے ڈرو اور اپنے

خیالات سے تائب ہو جاؤ۔ یہ کہہ کر آپ نے ان لوگوں کو چھوڑ دیا۔ مگر وہ پھر بھی اپنے نظریات پر قائم رہے حتی کہ تین مرتبہ انہیں سمجھانے کے باوجود جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ یہ باز نہیں آتے تو انہوں نے ان لوگوں کو آگ میں جلا دیا۔ ان میں سے جو لوگ بچ گئے وہ اپنے نظریات میں اور پختہ ہو گئے اور کہنے لگے کہ آگ کا عذاب تو صرف اللہ تعالیٰ ہی دے سکتا ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ میں چونکہ خدائی صفات ہیں اس لیے انہوں نے آگ کا عذاب دیا ہے۔[فتح الباری شرح صحیح بخاری: ج ۱۲: ص ۲۳۸، بحوالہ شریعت وطریقت ازعبد الرحمن کیلانیؒ (ص ۶۷، ۶۸)]

یہ نظریات مخفی طور پر پھیلتے رہے حتی کہ صوفیا کے گروہ اس سے زیادہ متاثر ہوئے مثلاً حسین بن منصور حلاج (م۔۳۰۹ھ) عبدالکریم (م۔۸۲۰ھ) وغیرہ ایسے صوفی ہو گزرے ہیں جو یہ کہا کرتے تھے کہ ہم میں اللہ تعالیٰ نے حلول کر لیا ہے۔(معاذ اللہ)

عقیدہ حلول کے اثرات آج بھی بعض مسلمانوں میں پائے جاتے ہیں۔ اس کا اندازہ ایک تو ان نعتوں سے ہوتا ہے جن میں فرط محبت کی وجہ سے شاعر اللہ کے رسول ﷺ کی ذات میں خدائی صفات ثابت کرنے لگتا ہے اور دوسرا بعض صوفیا کے شاذ و نادر واقعات سے بھی ہوتا ہے مثلاً ''حقیقت وحدت الوجود'' کے مصنف عبدالحکیم انصاری اپنی اسی کتاب کے صفحہ ۶۰، ۶۱ پر اس طرح کا ایک واقعہ تحریر فرماتے ہیں کہ

''ہمارے ایک چشتیہ خاندان کے پیر بھائی تھے جو صوفی جی کے نام سے مشہور تھے۔ وہ صاحب اجازت تھے اور ان کے بہت سے مرید بھی تھے۔ ایک دن میرے پاس آئے تو ہم مل کر چائے پینے لگے۔ چائے پیتے پیتے صوفی جی کے چہرے پر کیفیت کے آثار نمایاں ہوئے، چہرہ سرخ ہو گیا، آنکھوں میں لال لال ڈورے اُبھر آئے۔ پھر کچھ نشہ کی سی حالت طاری ہوئی۔ یکا یک صوفی جی نے سر اٹھایا اور کہنے لگے: ''بھائی جان! میں خدا ہوں۔'' اس پر میں نے زمین سے ایک تنکا اٹھایا اور اس کے دو ٹکڑے کر کے صوفی جی سے کہا: ''آپ خدا ہیں، تو اسے جوڑ دیجیے۔'' صوفی جی نے دونوں ٹوٹے ہوئے ٹکڑوں کو ملا کر ان پر توجہ فرمائی لیکن کیا بننا تھا۔ ساتھ ہی ان کی وہ کیفیت بھی غائب ہو گئی جس کی وجہ سے وہ خدائی کا دعویٰ کر رہے تھے۔ اس پر صوفی جی کہنے لگے: ''پھر یہ آخر سب کچھ کیا ہے؟'' میں نے پوچھا: ''کیا؟'' وہ بولے کہ ''یہی

وحدت الوجود! میرے خیال میں تو یہ سب ایک کیفیت ہے حقیقت نہیں ہے۔" میں نے کہا: "واقعی آپ نے پتہ کی بات کہی، وحدت الوجود ایک بہت بڑی کیفیت ہے، حقیقت نہیں ہے۔" صوفی جی نے کہا: "تو کیا حضرت ابن عربی جیسے عظیم الشان بزرگ نے بھی غلطی کی ہے۔" میں نے کہا: "ابن عربی نبی تو نہیں تھے، ولی ہی تھے اور اولیاء سے غلطی ہو جانا کوئی تعجب کی بات نہیں لیکن میرے خیال میں حق یہ ہے کہ انہوں نے غلطی نہیں کی بلکہ ان کو غلط فہمی ہوئی جیسی کہ ابھی آپ کو اپنے بارے میں ہوگئی تھی فرق صرف اتنا ہے کہ آپ کی کیفیت صرف چند لمحوں کے لیے تھی اس لیے غلط فہمی بھی چند لمحے رہی، لیکن ابن عربی چونکہ اپنے سلوک کے اختتام پر آنکھوں سے مشاہدہ کرنے کے بعد اس غلط فہمی میں مبتلا ہوئے اس لیے ان کی غلط فہمی دور نہ ہوئی۔" [شریعت وطریقت (ص:۹٤)]

عقیدہ وحدت الوجود

یہ نظریہ کہ...... "خدا کوئی ایک ذات نہیں بلکہ جو کچھ نظر آتا ہے سب خدا ہی ہے"...... وحدت الوجود کہلاتا ہے۔ قرآن وحدیث میں دور دور تک اس نظریے کا کوئی نام ونشان نہیں ملتا اور نہ ہی صحابہ کرام وتابعین عظام کے زمانوں میں اس کا کوئی وجود ملتا ہے۔ البتہ عباسی دور میں جب یونانی، ہندی اور سنسکرت کتابوں کے ترجمے عربی میں کیے گئے تو ان میں یہ نظریہ موجود تھا۔ چنانچہ پھر مسلمان بھی آہستہ آہستہ اس نظریے سے متاثر ہونے لگے حتی کہ ساتویں صدی ہجری میں ابن عربی جیسے مشہور صوفی نے کتابیں لکھ کر اس نظریے کو باقاعدہ شکل دی اور اسے اسلامی بنانے کے لیے قرآن وحدیث میں تاویلات کا ایک نیا دروازہ کھول دیا۔ ابن عربی کے بعد وحدت الوجود کا عقیدہ اتنا مقبول ہوا کہ اسے نہ ماننے والوں پر کفر وشرک کے فتوے لگنا شروع ہو گئے حتی کہ جب بلاد عرب میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ہندوستان میں شیخ مجدد الف ثانی (شیخ احمد سرہندی) کی وحدت الوجود کے خلاف علمی کوششیں شروع ہوئیں تو تب جا کر وحدت الوجود کا سیلاب تھما اور اسے صریح کفریہ وشرکیہ عقیدہ سمجھا جانے لگا۔

وحدت الوجود ایسا نظریہ ہے جس سے یہ لازم آتا ہے کہ...... "مخلوق اور خالق میں کوئی فرق نہیں...... معبود اور عابد میں کوئی امتیاز نہیں...... کفر اور ایمان میں کوئی اختلاف

نہیں ......نجاست اور طہارت میں کوئی تضاد نہیں ......علم اور جہالت میں کوئی تعارض نہیں......زندگی اور موت میں کوئی تناقض نہیں ......!''

ظاہر ہے کہ اگر ان باتوں کو تسلیم کرلیا جائے تو قرآن وحدیث کی (معاذ اللہ) دھجیاں بکھر جائیں گی کیونکہ قرآن وحدیث میں خالق اور مخلوق کا، رازق اور مرزوق کا، عابد اور معبود کا فرق بیان کیا گیا ہے اور ایمان و توحید اور کفر وشرک کو ایک دوسرے کی ضد قرار دیا گیا ہے۔ اہل جنت اور اہل جہنم میں حد فاصل قائم کی گئی ہے۔ نجاست وطہارت، حلال وحرام اور علم وجہالت میں بُعد واضح کیا گیا ہے۔

اور اگر قرآن وحدیث کی تعلیمات کو تسلیم کیا جائے تو وحدت الوجود کے لیے قبولیت کا کوئی درجہ باقی نہیں رہ جاتا۔ اس لیے وحدت الوجود قرآن وحدیث کے صریح منافی اور ایک غیر اسلامی عقیدہ ہے۔

وحدت الشہود

یہ نظریہ کہ...... '' کائنات میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ کا سایہ ہے وجود نہیں بلکہ وجود ان سے جدا ہے'' ...... یہ وحدت الشہود کہلاتا ہے۔ اس میں وحدت الوجود کے برعکس یہ تو تسلیم کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی مستقل ذات ہے جو اس کی مخلوق سے جدا ہے مگر اس کے ساتھ یہ بھی تسلیم کیا جاتا ہے کہ یہ مخلوق حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی کا پرتو (سایہ) ہے۔ یہ نظریہ بھی بڑے بڑے صوفیا میں مشہور ومقبول رہا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ اس میں بھی کئی ایک قباحتیں ہیں مثلاً:

۱)......اول تو اس نظریہ کی تائید قرآن وحدیث سے نہیں ملتی۔

۲)......صحابہ کرام اور تابعین عظام بلکہ پورے خیر القرون میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ اگر یہ ایسا ہی ضروری اسلامی عقیدہ تھا تو اس کی مثال کم از کم ائمہ سلف سے ضرور ملنی چاہیے تھی۔

۳)......کسی چیز کا سایہ ہمیشہ اپنے اصل سے قائم رہتا ہے۔ اگر اصل میں اتار چڑھاؤ، کمی بیشی یا کسی اور طرح کی تبدیلی واقع ہو تو سایہ بھی اس سے متاثر ہوتا ہے۔ کائنات کو اگر اللہ کا سایہ تسلیم کیا جائے تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ کائنات میں ہونے والی

تبدیلیاں دراصل اللہ تعالیٰ کے وجود میں ہونے والی تبدیلیوں کا اشارہ ہے۔یعنی کائنات میں اشیاء کا فنا و زوال سے دوچار ہونے کا معنی یہ ہوگا کہ (معاذاللہ) اللہ تعالیٰ میں نقص واقع ہو رہا ہے۔اور اگر اللہ تعالیٰ میں کوئی نقص واقع نہیں ہوتا تو پھر لازماً یہ ماننا ہوگا کہ کائنات اللہ کا سایہ و پرتو نہیں ہے۔

۴)......قرآن وحدیث کے بیان کے مطابق کائنات اللہ کی مخلوق ہے اور اللہ کے حکم سے ایک روز یہ ساری کی ساری فنا ہو جائے گی جب کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کو کوئی فنا نہیں۔

۵)......سایہ اور وجود میں جو مضبوط تعلق ہوتا ہے،اگر کائنات کو خدا کا سایہ قرار دے دیا جائے تو وہی تعلق اللہ اور کائنات کے درمیان بھی ماننا پڑے گا اور اس طرح وحدت الشہود بھی قریب قریب وہی صورت اختیار کر لے گا جو وحدت الوجود کی ہے۔اور جب وحدت الوجود غیر اسلامی عقیدہ ہے تو پھر وحدت الشہود کو بھی اسلامی عقیدہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔

وحدۃ الوجود، شہود اور حلول کے اثبات کے دلائل کی حقیقت

حلول، وجود اور شہود جیسے غیر اسلامی نظریات کو اسلامی بنانے کے لیے ایک طرف جعلی احادیث بنا کر اللہ کے رسول ﷺ کی طرف منسوب کی گئیں اور دوسری طرف قرآن مجید اور صحیح احادیث میں بے جا تاویلات کا دروازہ کھولا گیا۔آئندہ سطور میں ان دونوں پہلوؤں سے چند مثالیں ذکر کی جاتی ہیں۔

باطل نظریات کے تائید میں بنائی گئی چند جھوٹی احادیث

۱)......((اتقوا فراسة المؤمن فانه ينظر بنور الله))

''مومن کی فراست سے بچو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے''۔

یہ روایت جتنی اسناد سے مروی ہے ان میں سے کوئی ایک سند بھی ضعف سے خالی نہیں۔امام ابن جوزیؒ، ناصر الدین البانیؒ، ابن عدیؒ وغیرہ نے اسے انتہائی کمزور روایت قرار دیا ہے۔تفصیلات کے لیے دیکھئے:جامع الترمذی: كتاب التفسير: باب ومن سورة الحجر...(ح ٣١٢٧)حلية الاولياء (ج ١٠ ص ٢٨١)الضعفاء للعقيلی(ج٤ ص ١٢٩)الموضوعات لابن جوزی(٣:١٤٥)الكامل فی الضعفاء(١:٢١٠)تاريخ

بغداد(۷:۲٤۲)ضعیف الجامع الصغیر(۱۲۷)المعجم الکبیر(۷٤۹۷)مجمع الزوائد(۱۰:۲٦۸)المقاصد الحسنة(۳۳)السلسلة الضعیفة(ج ٤:ص ۲۹۹،۳۰۲)]

۲)......((لولاک لما خلقت الافلاک))

''اے محمد ﷺ! اگر آپ نہ ہوتے تو میں کائنات کو پیدا ہی نہ کرتا۔''

اس حدیث کو محدثین نے موضوع (یعنی جعلی اور من گھڑت) روایت قرار دیا ہے۔

[دیکھیے: سلسلة الاحادیث الضعیفة والموضوعة از شیخ ناصر الدین البانیؒ

(ج۱ص ٤٥۱) رقم الحدیث (۲۸۲)]

۳)......((من عرف نفسه فقد عرف ربه))

''جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔''

اس حدیث کو بھی محدثین نے جھوٹی اور باطل روایت کہا ہے۔[دیکھیے :ایضا:ح٦٦]

٤)......((کنت کنزا لااعرف فاحببت ان اعرف فخلقت خلقا))

''میں ایک مخفی خزانہ تھا میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں چنانچہ میں نے مخلوق کو پیدا کیا۔''

اس حدیث کو بھی محدثین نے جھوٹی روایت کہا ہے۔[مثلاً دیکھیے: تذکرة الموضوعات

(۱۱)اسرار المرفوعة (۲۷۳)تنزیة الشریعة(ج۱ص۱٤۸)]

مذکورہ بالا تمام روایات جھوٹی اور خود ساختہ ہیں۔اسی طرح کی کچھ اور جعلی روایات بھی صوفیا کی کتابوں میں ملتی ہیں۔ان روایات سے مذکورہ بالا گمراہانہ نظریات کو صحیح ثابت کرنے کے لیے مختلف پہلوؤں سے استدلال کیا جاتا ہے مگر جب یہ روایات ہی صحیح ثابت نہیں تو ان سے استدلال بھی کوئی معنی نہیں رکھتا۔یہاں اپنے قارئین کو میں یہ نصیحت بھی کرنا چاہوں گا کہ دین کے معاملے میں ہمیشہ صحیح احادیث کو پیش نظر رکھا کریں اور ایسی کتابوں کا انتخاب کیا کریں جن میں احادیث کی تحقیق وتخریج کا اہتمام ہو۔

آیاتِ قرآنی اور صحیح احادیث سے غلط استدلال

اسی طرح ان گمراہانہ عقائد کو صحیح اسلامی عقائد ثابت کرنے کے لیے قرآن مجید اور صحیح احادیث میں تحریف وتاویل کا دروازہ بھی کھولا گیا مثلاً قرآن مجید میں مذکور ان آیات جن میں ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ یا تمہارے قریب ہیں، سے یہ استدلال کرنے کی کوشش کی گئی کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر جگہ ہے حالانکہ یہ بات صریح طور پر غلط ہے جیسا کہ

گزشتہ سطور میں اس کی تفصیلات سے ثابت ہو چکا ہے۔اسی طرح بعض صحیح احادیث سے غلط مفہوم نکالنے کی کوشش کی گئی مثلاً بخاری و مسلم کی ایک صحیح حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''جس نے میرے کسی ولی سے دشمنی کی اس کے لیے میری طرف سے اعلان جنگ ہے اور میرا بندہ جن جن عبادتوں سے میرا قرب حاصل کرتا ہے ان میں مجھے سب سے محبوب وہ عبادتیں ہیں جو میں نے فرض کی ہیں اور میرا بندہ فرض ادا کرنے کے بعد نفل عبادتیں کر کے مجھ سے اتنا نزدیک ہو جاتا ہے کہ میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں پھر جب میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے۔اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اور اگر وہ مجھ سے مانگتا ہے تو میں اسے ضرور دیتا ہوں اور اگر وہ (کسی دشمن سے) میری پناہ مانگتا ہے تو میں اسے پناہ دیتا ہوں اور مجھے کسی چیز کے بارے میں اتنا تردد نہیں ہوتا جتنا کہ مجھے اپنے مومن بندے کی جان نکالتے وقت ہوتا ہے۔میرا بندہ تو جسمانی تکلیف کی وجہ سے موت کو پسند نہیں کرتا جب کہ مجھے بھی اسے (موت کی) تکلیف دینا برا لگتا ہے۔'' [بخاری: کتاب الرقاق :باب التواضع (ح ٦٥٠٢)]

اتحادی اور حلولی اس حدیث سے یہ معنی کشید کرتے ہیں کہ انسان عبادت و ریاضت کے بعد فنا فی اللہ کے درجہ پر فائز ہو جاتا ہے اور اس میں اور اللہ میں جسمانی طور پر کوئی فرق باقی نہیں رہ جاتا حالانکہ اس حدیث کا آخری حصہ اس بات کی صاف نفی کرتا ہے کیونکہ آخری الفاظ میں بندے اور رب میں فرق کو بیان کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ بندہ اللہ سے سوال کرے یا پناہ طلب کرے تو اس کا مطالبہ اللہ تعالیٰ رد نہیں فرماتے۔اگر بندہ اللہ کی ذات میں فنا ہو کر عین اللہ ہی بن جاتا ہے تو پھر وہ سوال کس سے کرتا ہے؟ اور پناہ کس سے مانگتا ہے؟ ظاہر ہے کہ بندہ بندہ ہی رہتا ہے معاذ اللہ خدا نہیں بن جاتا! اور اگر وہ خدا بن جاتا ہے تو اسے موت کیوں آتی ہے؟ باقی رہا اللہ کا کان، آنکھ، ہاتھ اور پاؤں بننے کا سوال تو اس کا معنی یہ ہے کہ اس کے سبھی اعضاء اللہ کے حکم کے تابع فرمان بن جاتے ہیں۔وہ اپنے کان سے وہی سنتا ہے جو اللہ کو پسند ہوتا ہے۔وہ اپنی آنکھ سے وہی دیکھتا ہے جو اللہ کی مرضی کے مطابق ہو۔اس کے ہاتھ اور پاؤں کی ہر حرکت اللہ کے احکام کے مطابق ہو جاتی ہے۔

چھٹی فصل

اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کا بیان

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ناموں سے مطلع کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿وَلِلّٰهِ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِي اَسْمَائِهٖ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾[الاعراف۔ ۱۸۰]

''اور اچھے اچھے نام اللہ ہی کے لیے ہیں پس ان ناموں سے اللہ تعالیٰ ہی کو موسوم کیا کرو اور ایسے لوگوں سے تعلق بھی نہ رکھو جو اس کے ناموں میں کج روی کرتے ہیں۔''

اس آیت میں تین چیزیں بیان کی گئی ہیں:

۱)......اللہ کے اچھے اچھے نام ہیں اور ان کے ساتھ ہی اللہ کو پکارنا چاہیے۔

۲)......ان ناموں میں تحریف اور بگاڑ پیدا کرنے والوں سے نفرت کرنی چاہیے۔

۳)......تحریف اور بگاڑ پیدا کرنے والوں کو روز قیامت منجانب اللہ سزا دی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے جن اچھے ناموں کا یہاں تذکرہ کیا ہے، وہ چونکہ لامحدود ہیں اس لیے ان کی مکمل فہرست قرآن وحدیث میں کہیں نہیں ملتی۔ البتہ جزوی طور پر بعض اسماء قرآن مجید میں اور بعض احادیث میں بیان ہوئے ہیں۔ ایک حدیث میں ننانوے نام یکجا بیان ہوئے ہیں مگر اس حدیث کی سند محدثین کے اصولوں کے مطابق صحیح نہیں۔ البتہ بخاری ومسلم کی ایک حدیث میں یہ بات بیان ہوئی ہے:

((ان للہ تسعة وتسعين اسماء مائة الا واحد ،من احصاها دخل الجنة))

[بخاری : کتاب الدعوات :باب للہ تعالیٰ مائة اسم غیر واحد (ح۲۷۳۶)مسلم : کتاب الذکر والدعاء (ح۲۶۷۷)]

''اللہ تعالیٰ کے ننانوے (۹۹) نام ہیں جس نے انہیں یاد کرلیا وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔''

اس صحیح حدیث سے درج ذیل سوالات پیدا ہوتے ہیں:

۱)......کیا اللہ کے نام صرف ننانوے (۹۹) ہیں؟

۲)......اس حدیث میں مذکور ننانوے نام کون سے ہیں؟

۳)......انہیں شمار (یاد) کرنے سے کیا مراد ہے؟

پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے صرف ننانوے نام نہیں ہیں بلکہ ننانوے سے زیادہ ہیں۔ اس کی ایک دلیل تو یہ ہے کہ خود قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے ننانوے سے زیادہ نام مذکور ہیں اور دوسری دلیل یہ ہے کہ بعض احادیث میں خود نبی اکرم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے کہ:

((اَسْأَلُکَ بِکُلِّ اِسْمٍ هُوَ لَکَ سَمَّیْتَ بِهٖ نَفْسَکَ اَوْعَلَّمْتَهٗ اَحَدًا مِّنْ خَلْقِکَ اَوْ اَنْزَلْتَهٗ فِی کِتَابِکَ اَوِ اسْتَأْثَرْتَ بِهٖ فِی عِلْمِ الْغَیْبِ عِنْدَکَ)) [احمد (۳۹۱/۱)]

”(یا اللہ!) میں تجھ سے تیرے ہر اس نام کے ساتھ سوال کرتا ہوں جو تو نے اپنی ذات کے لیے تجویز کیا ہے یا جو تو نے اپنی کسی مخلوق کو سکھایا ہے یا جو اپنی کتاب میں نازل کیا ہے یا جو اپنے غیبی علم میں تو نے اپنے پاس محفوظ رکھا ہے۔“

جہاں تک دوسرے سوال کا تعلق ہے تو اس سلسلہ میں قرآن وحدیث میں کہیں اور یہ صراحت نہیں کی گئی کہ بخاری و مسلم کی حدیث میں جن ننانوے ناموں کی فضیلت بیان ہوئی ہے، وہ کون سے ہیں۔ البتہ بعض اہل علم نے اس کا تعین کرنے کے لیے ان روایات کا سہارا لیا ہے جن میں ننانوے ناموں کی فہرست موجود ہے بلکہ ننانوے سے بھی کچھ زیادہ ناموں کا تذکرہ ان میں ہے مگر ان میں سے کوئی ایک بھی بسند صحیح ثابت نہیں۔ اس لیے ننانوے ناموں سے مراد اللہ تعالیٰ کے ثابت شدہ کوئی بھی ننانوے نام ہو سکتے ہیں۔ واللہ اعلم!

(۳) جہاں تک تیسرے سوال کا تعلق ہے...... یعنی انہیں شمار (یاد) کرنے سے کیا مراد ہے؟...... تو اس سلسلہ میں اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے اہل علم نے یہ معنی بیان کیا ہے کہ ہر وہ شخص جو ان ناموں کو یاد کرنے والا، ان کے معنی ومفہوم کو سیکھنے والا، ان کے معانی پر صدق دل سے عمل کرنے والا ہو وہ جنت میں داخلے کی بشارت حاصل کر لے گا۔

قرآن وحدیث سے اسمائے حسنیٰ بیان کرنے کا اصول

اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں وہ تمام اسماء شامل ہوں گے جن کا قرآن مجید یا صحیح احادیث میں ذکر ملتا ہے۔البتہ اس سلسلہ میں بعض اہل علم نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں بیان ہونے والے ہر فعل اور ہر صفت سے اللہ تعالیٰ کا نام متعین کرنے کی کوشش کی ہے مثلاً قرآن مجید میں ہے کہ

﴿إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ﴾[النسآء ـ ۱۴۲]

''بے شک منافقین اللہ سے چالبازیاں کر رہے ہیں اور وہ انہیں اس چالبازی کا بدلہ دینے والا ہے۔''

﴿وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ﴾[آل عمران ـ ۵۴]

''اور کافروں نے مکر کیا اور اللہ نے بھی خفیہ تدبیر کی۔''

﴿اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ﴾[البقرة ـ ۱۵]

''اللہ تعالیٰ بھی ان سے مزاح کرتا ہے۔''

اب ان آیات کی روشنی میں بعض لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں مخادع (دھوکہ باز)ماکر (مکروفریب کرنے والا)مستھزی (مزاح اور ٹھٹھہ کرنے والا) کا اضافہ کر دیا۔حالانکہ یہ الفاظ منافقین اور کفار کی سرزنش کے لیے مخصوص پس منظر میں بطور محاورہ یا علم بلاغت کی رو سے بطور مشاکلت کے استعمال ہوئے ہیں اس لیے ان سے اسم فاعل بنا کر اللہ تعالیٰ کے اسماء میں انہیں شامل کرنا اللہ تعالیٰ کے شایان شان نہیں ہے۔بلکہ بعض صورتوں میں تو اس طرح کرنے سے کفر لازم آتا ہے۔اسی طرح بعض اسماء ایسے ہیں جو جوڑے کی شکل میں استعمال ہوتے ہیں مثلاً المعز، المذل (عزت دینے والا، ذلیل کرنے والا)القابض، الباسط (تنگی کرنے والا، کشادگی کرنے والا)النافع، الضار (نفع دینے والا، نقصان دینے والا)ان اسماء کو بیان کرنے کے لیے مناسب واحوط طریقہ یہ ہے کہ انہیں جوڑے کی شکل میں بیان کیا جائے ان کا علیحدہ علیحدہ شکل میں استعمال شبہات پیدا کرتا ہے۔

قرآن وحدیث سے ثابت شدہ بعض اسماء

۱۔ اللّٰہ	۲۔ اَلرَّبّ	۳۔ اُلْاِلٰہ	٤۔ الوَاحِد
٥۔ الرَّحْمٰن	٦۔ الرَّحِیم	٧۔ اَلْمَلِك	٨۔ اَلْقُدُّوس
٩۔ السَّلَام	١٠۔ المُؤمِن	١١۔ المُهَيمِن	١٢۔ العَزِيز
١٣۔ الجبَّار	١٤۔ المُتَكَبِّر	١٥۔ الخالق	١٦۔ البَارِی
١٧۔ المُصَوِّر	١٨۔ اَلْاَوَّل	١٩۔ الآخِر	٢٠۔ الظَّاهِر
٢١۔ البَاطِن	٢٢۔ اَلْحَیُّ	٢٣۔ القَيُّوم	٢٤۔ اَلْعَلِیُّ
٢٥۔ العَظِيم	٢٦۔ التَّوَّاب	٢٧۔ الحَلِيم	٢٨۔ الوَاسِع
٢٩۔ الحَكِيم	٣٠۔ الشَّاكِر	٣١۔ العَلِيم	٣٢۔ الغَنِیُّ
٣٣۔ الكَرِيم	٣٤۔ اَلْعَفُوُّ	٣٥۔ القَدِير	٣٦۔ اللَّطِيف
٣٧۔ الخَبِير	٣٨۔ السَّمِيع	٣٩۔ البَصِير	٤٠۔ المَولٰی
٤١۔ النَّصِير	٤٢۔ القَرِيب	٤٣۔ المُجِيب	٤٤۔ الرَّقِيب
٤٥۔ الحَسِيب	٤٦۔ القَوِیُّ	٤٧۔ الشَّهِيد	٤٨۔ الحَمِيد
٤٩۔ المَجِيد	٥٠۔ المُحِيط	٥١۔ الحَفِيظ	٥٢۔ اَلْحَقُّ
٥٣۔ المُبِين	٥٤۔ الغَفَّار	٥٥۔ القَهَّار	٥٦۔ الخَلَّاق
٥٧۔ الفَتَّاح	٥٨۔ الوَدُود	٥٩۔ الغَفُور	٦٠۔ الرَّؤُوف
٦١۔ الشَّكُور	٦٢۔ الكَبِير	٦٣۔ اَلْمُتَعَال	٦٤۔ المُقِيت
٦٥۔ المُسْتَعَان	٦٦۔ الوَهَّاب	٦٧۔ الحَفِیُّ	٦٨۔ الوَارِث
٦٩۔ الوَلِیُّ	٧٠۔ القَائِم	٧١۔ القَادِر	٧٢۔ الغَالِب
٧٣۔ القَاهِر	٧٤۔ اَلْبَرُّ	٧٥۔ الحَافِظ	٧٦۔ الأَحَد

۷۷۔ اَلصَّمَدُ	۷۸۔ اَلْمَلِیْكُ	۷۹۔ اَلْمُقْتَدِر	۸۰۔الوَکِیل
۸۱۔ الهَادِی	۸۲۔ الکَفِیل	۸۳۔ الکَافِی	۸٤۔الأَکْرَم
۸۵۔ الاَعْلٰی	۸٦۔ الرَّازِق	۸۷۔ذُوالقُوَّةِ الْمَتِین	۸۸۔غافِرُالذَّنبِ
۸۹۔قَابِلُ التَّوْبِ	۹۰۔شَدِیْدُ الْعِقَاب	۹۱۔ ذُوالطَّوْل	۹۲۔رفیعُ الدَّرجات
۹۳۔ سَرِیْعُ الْحِسَاب	۹٤۔ فَاطِرُ السَّمٰوٰت وَالْاَرْضِ	۹۵۔ بَدِیْعُ السَّمٰوٰت والارض	۹٦۔ نُورُ السَّمٰوٰت والارض
۹۷۔مٰلِكُ السَّمٰوٰت	۹۸۔ ذُوالْجَلَالِ	۹۹۔ وَالْاِکْرَام	

کیا خدا اللہ کا نام ہے؟

اردو اور فارسی زبان میں لفظ خدا کو اللہ تعالیٰ کے مفہوم میں استعمال کیا جاتا ہے جبکہ قرآن وحدیث میں یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے کہیں استعمال نہیں ہوا اور ویسے بھی یہ لفظ 'فارسی' کا ہے عربی کا نہیں۔ لفظ خدا کو اللہ کے لیے استعمال کرنے میں اختلاف ہے۔ بعض اہل علم اسے جائز کہتے ہیں اورانہوں نے فارسی اور اردو زبان میں لفظ خدا کو بکثرت استعمال کیا ہے مگر چند ایک اہل علم نے درج ذیل وجوہات کی بنیاد پر اس لفظ کے استعمال کو نامناسب قرار دیا ہے کہ

(۱)......اول تو اس لیے کہ یہ قرآن وحدیث میں بیان شدہ اسمائے حسنیٰ میں شامل نہیں۔

(۲)......دوم اس لیے کہ مجوسی اپنے معبود کے لیے خدا کا لفظ استعمال کرتے ہیں اس لیے اس کا استعمال ان سے مشابہت پیدا کرتا ہے۔

(۳)......سوم اس لیے کہ خدا کا ترجمہ ہے 'خود بخود آنے والا' اور یہ ترجمہ اسمائے حسنیٰ میں سے کسی اسم کا نہیں ہے۔

(۴)......چہارم اس لیے کہ اسے لفظ اللہ کا مترادف قرار نہیں دیا جا سکتا اس لیے کہ لفظ اللہ، اللہ تعالیٰ کا ذاتی نام ہے اور اس کا کوئی ترجمہ نہیں کیا جا سکتا۔

لفظ 'خدا' کے استعمال کو جائز قرار دینے والے اس کے جواز کے سلسلہ میں عموماً یہ جواب دیتے ہیں:

(۱)......اہل عرب اللہ تعالیٰ کے لیے لفظ 'اللّٰــہ' اور لفظ 'الٰــہ' کا استعمال شروع سے کرتے چلے آرہے تھے اور خود قرآن مجید نے بھی ان کے اس لفظ کو برقرار رکھا۔ البتہ اللہ کے بارے میں ان کے جو نظریات غلط تھے ان کی تردید کی۔ اسی طرح لفظ خدا بھی اسی مفہوم میں استعمال کیا جاتا تھا جس میں لفظ اللہ استعمال کیا جاتا ہے، اس لیے اس لفظ کا استعمال بھی غلط قرار نہیں دیا جاسکتا۔ البتہ اگر لفظ خدا کے پیچھے کوئی غلط تصورات موجود ہوں تو ان کی نفی کی جانی چاہیے۔

(۲)......مجوسی اپنے معبود کے لیے صرف لفظ خدا استعمال نہیں کرتے بلکہ ان کے ہاں دو معبودوں کا تصور ہے ایک نیکی اور خیر کا جسے 'خدائے یزداں' کہا جاتا ہے اور دوسرا برائی، نقصان اور شر کا جسے 'خدائے اہرمن' کہا جاتا ہے۔ گویا ان کے نزدیک اپنے معبودوں کے لیے اصل لفظ 'یزداں اور اہرمن' ہے اور خدا ضمنی لفظ ہے۔ اس لیے لفظ خدا کے استعمال سے ان سے مشابہت پیدا نہیں ہوتی۔

(۳)......لفظ 'خدا' کا ترجمہ ہے 'خود بخود آنے والا'......اگرچہ صریح طور پر اس ترجمے کا اطلاق اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے کسی اسم پر نہیں ہوتا مگر اس کے مفہوم پر اگر غور کیا جائے تو یہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے 'الاول' کے مفہوم کے قریب ہے۔

(۴)......لفظ اللّٰــہ، اِلٰہ (ا-ل-ہ) سے بنا ہے اس لیے اس کا کوئی نہ کوئی ترجمہ تو ضرور ہوگا۔ اگر اس کا ترجمہ کرنا درست نہیں تو پھر بھی اس سے لفظ خدا کے استعمال پر کوئی قدغن نہیں لگتی کیونکہ لفظ خدا لفظ اللّٰــہ کا ترجمہ نہیں بلکہ لفظ اللّٰــہ سے ایک حقیقی معبود کا جو تصور پیدا ہوتا ہے، لفظ خدا بھی اسی تصور کی ترجمانی کرتا ہے۔ اور اس لحاظ سے یہ بھی اسی طرح جائز ہے جس طرح انگلش میں اللّٰــہ کے لیے لفظ (God) کا استعمال جائز ہے۔

حاصل بحث: مذکورہ بالا بحث کے بعد ہمارے سامنے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ لفظ خدا کے استعمال سے جہاں تک ہو سکے، اجتناب کیا جائے البتہ اگر اس کا استعمال کر بھی لیا جائے تو کوئی گناہ نہیں۔ اور پاک و ہند کے بیشتر اہل علم کا یہی موقف رہا ہے۔ اس کی سب سے بڑی دلیل ان علماء کی وہ کتابیں ہیں جن میں بکثرت لفظ خدا کا استعمال کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں عرب علما نے بھی اس کا استعمال جائز قرار دیا ہے بطور تائید ذیل

میں عرب علماء کا ایک فتویٰ درج کیا جاتا ہے:

سوال: میں آپ کی خدمت میں ایک ایسا سوال پیش کررہا ہوں جس پر ہمارے علما کا اختلاف ہے اور وہ یہ ہے کہ کتاب وسنت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات توقیفی ہیں یعنی جو صفات قرآن وسنت سے ثابت ہیں انہیں ثابت مانا جائے او جو ثابت نہیں ان پر خاموشی اختیار کی جائے۔ لٰہذا اس اصول کے پیش نظر آیا کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے لیے فارسی زبان کے لفظ خدا یا پشتو کے لفظ خدای یا انگریزی کے لفظ ''God'' یا سی طرح کے کسی اور لفظ کو استعمال کرسکتا ہے ؟اور آیا وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کسی ایسے لفظ کے ساتھ کرتا ہے جو قرآن وسنت میں موجود نہیں تو ایسا کرنے سے کہیں وہ قرآن مجید کی درج ذیل آیت کی رو سے ملحد (بے دین، زندیق) قرار تو نہیں پاتا؟ ﴿ وَذَرُوا الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي أَسْمَائِهِ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴾ ''اور ایسے لوگوں سے تعلق بھی نہ رکھو جو اس کے ناموں میں کج روی کرتے ہیں۔'' [الاعراف۔ ۱۸۰]

جب کہ دوسری طرف بعض علما وہ ہیں جو اس کے جواز کے سلسلہ میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں لفظ جبرائیل میں 'ایل' عبرانی زبان میں لفظ 'اللہ' کے مترادف ہے اور جب اللہ کا نام عبرانی زبان میں بدلنا جائز ہے تو کسی اور زبان میں بھی یہ منع قرار نہیں دیا جاسکتا۔ آیا ان علماء کی یہ توجیہ درست ہے یا نہیں؟ اور کیا اللہ تعالیٰ کے اسماء کا عربی زبان کے علاوہ کسی اور زبان میں ترجمہ کیا سکتا ہے یا نہیں؟ جواب دے کر مستفید فرمائیں۔ جزاکم اللہ خیرا!

ج:الحمدلله وحده والصلاة والسلام على رسوله واله وصحبه وبعد!

جو شخص عربی زبان کو نہیں سمجھتا اس کے لیے اللہ تعالیٰ کے اسما کا ترجمہ دیگر زبانوں میں کرنا اسی طرح جائز ہے جس طرح دین سمجھانے کے لیے قرآنی آیات اور احادیث نبویہ کا ترجمہ دیگر زبانوں میں کرنا جائز ہے بشرطیکہ ترجمہ کرنے والا دونوں زبانوں پر عبور رکھتا ہو۔

وبالله التوفيق وصلى الله على نبينامحمدوآله وصحبه اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء

[۱]عبدالله بن قعود [۲] عبدالله بن عذيان [۳] عبدالرزاق عفيفي (نائب رئيس اللجنة) [۴] عبدالعزيزبن عبدالله بن باز (رئيس)

[فتاوى اللجنة الدائمة ......مرتب احمد الدرويش ج:۳ص:۱۲۲ (فتوى رقم: ۸۱۱۵)]

بَابُ دوُم

اِنسان ...... ایک تعارف

پہلی فصل:....... انسانی تخلیق کا آغاز اور نظریہ ارتقاء

انسان کی پیدائش کب ، کیسے اور کیونکر ہوئی ؟اس سلسلہ میں اقوام عالم میں مختلف نظریات پائے جاتے ہیں جبکہ قرآن مجید اس بارے میں اپنا ایک خاص نقطۂ نظر رکھتا ہے اور بحیثیت مسلمان وہی ہمارے لیے مشعلِ راہ ہے۔آئندہ سطور میں ہم اس کی تفصیلات ذکر کریں گے مگر اس سے پہلے ایک اہم نظریہ جسے ''نظریہ ارتقاء'' (Theory Of Evolution) کہا جاتا ہے، کا جائزہ لینا ضروری ہے۔اس نظریے نے نہ صرف یہ کہ دنیا کے بڑے بڑے غیر مسلم سائنسدانوں کو متاثر کیا بلکہ مسلم دانشوروں کا بھی ایک بڑا طبقہ اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔اس نظریے کا حاصل یہ ہے کہ

''انسان اور دیگر حیوانات شروع ہی سے اس طرح پیدا نہیں ہوئے جیسا کہ آج کل پیدا ہوتے دکھائی دیتے ہیں بلکہ اربوں کھربوں سال پہلے سمندروں کے ساحلوں پر موجود پانی میں مختلف کیمیکل ملنے سے خود بخود کائی پیدا ہوئی، پھر اس سے نباتات کی مختلف شکلیں نمودار ہوتی چلی گئیں، پھر کروڑوں سالوں بعد انہی سے یک خلوی اور سہ خلوی جاندار پیدا ہوئے، پھر مزید کروڑوں سال بعد چھوٹے چھوٹے حیوانات وحشرات پیدا ہونے لگے، اور پھر یہی حیوانات وحشرات مزید ارتقاء کے بعد ہاتھیوں، گھوڑوں، اونٹوں اور بندروں وغیرہ کی شکل اختیار کرتے چلے گئے۔انہی بندروں میں سے ایک قسم نے انسانی شکل اختیار کر لی اور پھر انہی بندر نما انسانوں میں لاکھوں سالوں بعد عقل وشعور کا ارتقاء ہوا اور انہوں نے غاروں اور جنگلوں میں مل جل کر رہنا شروع کر دیا۔''

محققین اس نظریہ کے قلابے زمانہ قدیم کے غیر مسلم فلاسفہ (مثلاً ارسطو وغیرہ) سے ملاتے ہیں جب کہ انیسویں صدی میں چارلس ڈارون نے Origin Of Spicies (اصل

الانواع) نامی کتاب لکھ کر اس نظریہ کو باقاعدہ شکل دی۔ چونکہ یہ نظریہ مادیت ودہریت پر مبنی تھا اس لیے مادہ پرست اور منکرین خدا قسم کے لوگوں کے ہاں یہ بڑا مقبول ہوا اور جن دلائل کے ساتھ اسے تقویت دی گئی تھی، اس سے کئی مسلمان بھی متاثر ہوئے۔ اسی طرح ماضی قریب کے مشہور منکر حدیث غلام احمد پرویز اور اس کے ہمنواؤں نے نہ صرف یہ کہ نظریہ ارتقاء جزوی ترمیم کے ساتھ قبول کرلیا بلکہ اسے عین قرآنی نظریہ ثابت کرنے کے لیے نصوص قرآنی میں جابجا تحریفات وتاویلات کا بھی سہارا لیا۔ اس کی تفصیلات پرویز کی مختلف کتابوں (مثلاً ابلیس وآدم، مطالب الفرقان وغیرہ) میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

کچھ یہی صورتحال ان سے پہلے سرسید احمد خان، مفتی محمد عبدہ مصری وغیرہ کے ہاں بھی ملتی ہے۔ اسی طرح ڈاکٹر محمد رفیع الدین بھی نظریہ ارتقاء سے سخت متاثر ہوئے اور اپنی کتاب ''قرآن اور علم جدید'' میں جدید مغربی نظریات کی تردید کرتے ہوئے نظریہ ارتقا کی بہت سی باتوں کو عین قرآنی ثابت کرنے کی کوشش کرگزرے۔ نظریہ ارتقاء کی تائید وحمایت کرنے والے کچھ دیگر مسلم مفکرین کا بھی یہاں نام لیا جاسکتا ہے جو نظریہ ارتقاء کے اثبات کے سلسلہ میں بعض قرآنی آیات کو بطور استشہاد پیش کرتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ جن آیات سے یہ استشہاد کرتے ہیں، ان سے نظریہ ارتقاء کی وہ صورت اس وقت تک متشکل نہیں ہوسکتی جب تک کہ ان قرآنی آیات کی دوراز کار تاویلات بلکہ معنوی تحریفات اور صحیح احادیث نبویہ کا صاف انکار نہ کردیا جائے اور نظریہ ارتقاء کے بعض مؤیدین نے فی الواقع یہ دونوں ارتکاب کیے بھی ہیں!

نظریہ ارتقاء چونکہ عقل ووحی کی میزان میں مکمل طور پر ناکام ثابت ہوچکا ہے اور اس کے ابطال پر غیر مسلم سائنس دانوں کی تحقیقات بھی منظر عام پر آچکی ہیں اس لیے ہم اس کی تردید وابطال میں صفحات سیاہ کرنے کی بجائے مولانا عبدالرحمٰن کیلانیؒ کی کتاب ''آئینہ پرویزیت'' (صفحہ ۲۳۵ تا ۲۳۸) سے عقل ومشاہدہ پر مبنی چند قوی اعتراضات ذیل میں پیش کررہے ہیں، جن سے مقصود یہ واضح کرنا ہے کہ نظریہ ارتقاء کیوں قابل قبول نہیں۔

نظریہ ارتقاء پر اعتراضات:

''(۱)...... نظریہ ارتقاء کے مؤیدین آج تک اس سوال کا جواب نہیں دے سکے کہ زندگی

کی ابتداء کیسے ہوگئی؟ یعنی معلول تو موجود ہے لیکن علت کی کڑی نہیں ملتی۔ گویا اس نظریہ کی بنیاد ہی سائنسی لحاظ سے کمزور ہے۔ اس سلسلہ میں پرویز صاحب اپنی کتاب ''انسان نے کیا سوچا'' کے صفحہ ۵۵ پر رقمطراز ہیں:

''یہ تو ڈراون نے کہا تھا لیکن خود ہمارے زمانے کا ماہر ارتقاء (Simpson) زندگی کی ابتداء اور سلسلہ علت کی اولین کڑی کے متعلق لکھتا ہے: زندگی کی ابتدا کیسے ہوگئی؟ نہایت دیانتداری سے اس کا جواب یہ ہے کہ ہمیں اس کا کچھ علم نہیں ...... اس معمہ کو حل کرنے کی کوشش کی جاری ہے اور رفتہ رفتہ اس کے قریب پہنچا جارہا ہے ...... لیکن اس معمہ کا آخری نقطہ (یعنی زندگی کا نقطہء آغاز) وہ ہے جو سائنس کے انکشافات کی دسترس سے باہر ہے اور شاید انسان کے حیطہ ادراک سے ہی باہر ...... کائنات کے آغاز اور سلسلہ علت و معلول کی اولین کڑی کا مسئلہ لاینحل ہے اور سائنس اس تک نہیں پہنچ سکتی ...... یہ اولین کڑی راز ہے اور میرا خیال ہے کہ ذہنِ انسانی اس راز کو کبھی نہیں پاسکے گا۔ ہم اگر چاہیں تو اپنے اپنے طریق پر اس علت اولیٰ کے حضور اپنے سر جھکا سکتے ہیں۔ لیکن اسے اپنے ادراک کے دائرے میں کبھی نہیں لاسکتے۔''

گویا نظریۂ ارتقاء کے مادہ پرست قائلین کو آج تک اس کے لیے کوئی سائنسی اور حسی دلیل مہیا نہیں ہوسکی۔

(۲)...... دوسرا اعتراض یہ ہے کہ ارتقاء کا کوئی ایک واقعہ بھی آج تک کسی انسان نے مشاہدہ نہیں کیا یعنی کوئی چڑیا ارتقاء کر کے مرغا بن گئی ہو یا گدھا ارتقاء کر کے گھوڑا بن گیا ہو یا لوگوں نے کسی بندر کو انسان بنتے دیکھا ہو۔ نہ ہی یہ معلوم ہوسکا ہے کہ فلاں دور میں ارتقاء ہوا تھا۔ جس طرح جملہ حیوانات ابتدائے آفرینش سے تحقیق کیے گئے ہیں آج تک اسی طرح چلے آتے ہیں، ان میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ البتہ بعض ایسی مثالیں ضرور ملتی ہیں جو نظریہ ارتقاء کو رد کر دیتی ہیں مثلاً ریشم کا کیڑا جو عموماً موسمِ برسات میں شہتوت کے پتوں پر گزراوقات کرتا ہے، جب ساٹھ دن کا ہو جاتا ہے تو اس کا رنگ سیاہ سے سفید ہو جاتا ہے۔ اس کے منہ سے ایک مادہ تاروں کی شکل میں نکلتا ہے جسے یہ اپنے جسم کے گرد لپیٹنا شروع کر دیتا ہے۔ یہ تار ساتھ ہی خشک ہوتے جاتے ہیں۔ ریشم کے کیڑے کے گرد تاروں کا یہ

جال جب اخروٹ کے برابر ہو جاتا ہے تو اس کے اندر کیڑا مر جاتا ہے اور اس کے سیاہ مادے سے ایک سفید تتلی بن جاتی ہے۔ جب یہ باہر نکلتی ہے تو نر و مادہ کا ملاپ ہوتا ہے پھر مادہ انڈے دیتی ہے اور دونوں نر و مادہ مر جاتے ہیں۔ اس کیڑے کا بالخصوص اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ انسان زمانۂ قدیم سے ریشم حاصل کر رہا ہے اور اس کیڑے کی داستانِ حیات میں نہ کبھی تبدیلی ہوئی نہ ہی ارتقاء کا عمل کبھی پیش آیا۔ اسی طرح بعض کمتر درجے کے بحری جانور جو ابتدائے زمانہ میں پائے جاتے تھے، آج بھی اسی شکل میں موجود ہیں۔ ان پر ارتقاء کو کوئی عمل نہیں ہوا۔ حشرات الارض کا وجود بھی نظریۂ ارتقاء کی تردید کرتا ہے۔ اسی لیے بعض مفکرین ارتقاء کے منکر ہیں، اس کے بجائے تخلیقِ خصوصی (Special Creation) کے قائل ہیں: یعنی ہر نوع زندگی کی تخلیق بالکل الگ طور پر ہوتی ہے۔ ایک مفکر De Viaies ارتقاء کے بجائے انتقال (Mutation) کا قائل ہے جسے آج کل ”فجائی ارتقاء“ Emergency Evolution کا نام دیا جاتا ہے۔

(۳)...... نظریۂ ارتقاء پر تیسرا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ ان کی درمیانی کڑیاں موجود نہیں۔ مثلاً جوڑوں اور بغیر جوڑوں والے جانوروں کی درمیانی کڑی موجود نہیں۔ فقری اور غیر فقری جانوروں کی درمیانی کڑی بھی مفقود ہے۔ مچھلیوں اور ان حیوانات کی درمیانی کڑی بھی غائب ہے جو خشکی اور پانی کے جانور کہلاتے ہیں۔ اسی طرح رینگنے والے جانوروں اور پرندوں، اور رینگنے والے ممالیہ جانوروں کی درمیانی کڑیاں بھی مفقود ہیں۔ فلسفۂ ارتقاء کی یہ اصل دشواری ہے جو سو سال سے زیرِ بحث چلی آرہی ہے۔ بعض نظریۂ ارتقاء کے قائلین اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ درمیانی کڑی کا جب کام پورا ہو چکتا ہے تو وہ از خود غائب ہو جاتی ہے۔ اس جواب میں جتنا وزن یا معقولیت ہے اس کا آپ خود اندازہ کر سکتے ہیں۔

(۴)...... چوتھا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ جب اس نظریہ کی رو سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ پہلا انسان کمزور جسم اور ناقص العقل تھا تو اس نے شیروں اور چیتوں کے درمیان گزارہ کیسے کیا اور اس کمزوری اور بے عقلی کے باوجود تنازع للبقاء میں کامیاب کیسے ہو گیا؟

(۵)...... پانچواں اعتراض بڑا وزنی ہے کہ ابتدائے زندگی سے بندر تک جو شعوری ترقی دو ارب سال میں واقع ہوئی ہے بندر اور انسان کا درمیانی شعوری فرق اس سے بہت زیادہ

ہے جس کے لیے ارب ہا سال کی مدت درکار ہے جب کہ زمین کی عمر صرف ۱۳ ارب سال بتائی جاتی ہے، یہ ذہنی ترقی انسان میں یکدم کیونکر آ گئی؟

(۶)......ڈارون نے نظریہ ارتقاء کے لیے جو اصول بتلائے ہیں وہ مشاہدات کی رو سے صحیح ثابت نہیں ہوئے ہیں مثلاً:

۱۔ایک اصول قانونِ وراثت ہے۔ڈارون کہتا ہے کہ لوگ کچھ عرصہ تک کتوں کی دم کاٹتے رہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کتے بے دم پیدا ہونے لگے۔جس پر اعتراض یہ ہوتا ہے کہ عرب اور عبرانی لوگ صدیوں سے ختنہ کرواتے چلے آتے ہیں لیکن آج تک کوئی مختون بچہ پیدا نہیں ہوا۔

۲۔ماحول سے ہم آہنگی پر یہ اعتراض ہے کہ انسان کے پستانوں کا بدنما داغ آج تک کیوں باقی ہے جس کی کسی دور میں بھی ضرورت پیش نہیں آئی اور انسان سے کمتر درجے کے جانوروں (نروں) میں یہ داغ موجود نہیں ہوتے تو انسان میں کیسے آ گئے؟ علاوہ ازیں یہ کہ ایک ہی جغرافیائی ماحول میں رہنے والے جانوروں کے درمیان فرق کیوں ہوتا ہے؟

(۷)......رکاز (Fossil) کی دریافت بھی نظریۂ ارتقاء کو بالکل باطل قرار دیتی ہے، رکاز سے مراد انسانی کھوپڑیاں یا جانوروں کے وہ پنجر اور ہڈیاں ہیں جو زمین میں مدفون پائی جاتی ہیں۔نظریۂ ارتقاء کی رو سے کمتر درجے کے جانوروں کی ہڈیاں زمین کے زریں حصہ میں پائی جانی چاہییں جب کہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔ایسی ہڈیاں عموماً زمین کے بالائی حصہ میں ملی ہیں۔ارتقائی بھی یہ کہتے ہیں کہ انسان لاکھوں سال قبل جسمانی اور عقلی لحاظ سے ناقص تھا۔بالآخر تکمیل کی طرف آیا۔رکاز کی دریافت اس بات کی بھی تردید کرتی ہے کیونکہ بالائی طبقوں میں جو رکاز ملے ہیں وہ غیر مکمل اور ناقص انسان کی یادگار ہیں اور زیریں طبقوں میں اعلیٰ انسانوں کے رکاز ملے ہیں حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہونا چاہیے تھا۔

نظریہ ارتقاء اور مغربی مفکرین

یہ ہیں وہ اعتراضات جنھوں نے اس نظریہ کے انجر پنجر تک ہلا دیے ہیں۔گزشتہ ڈیڑھ صدی نے اس نظریہ میں استحکام کی بجائے اس کی جڑیں بھی ہلا دی ہیں۔اب اس نظریہ کے

متعلق چند مغربی مفکرین کے اقوال بھی ملاحظہ فرمالیجیے:

۱۔ایک اطالوی سائنسدان 'روزا' کہتا ہے کہ گزشتہ ساٹھ سال کے تجربات نظریہ ڈارون کو باطل قرار دے چکے ہیں۔(اسلام اور نظریہ ارتقاء)

۲۔'ڈی وریز' ارتقاء کو باطل قرار دیتا ہے وہ اس نظریہ کے بجائے (Mutation) انتقال نوع کا قائل ہے۔(ایضا)

۳۔'والس' (Wallace) عام ارتقاء کا قائل ہے لیکن وہ انسان کو اس سے مستثنیٰ قرار دیتا ہے۔(ایضا)

۴۔'فرخو' کہتا ہے کہ انسان اور بندر میں بہت فرق ہے اور یہ کہنا بالکل لغو ہے کہ انسان بندر کی اولاد ہے۔

۵۔'سیفرٹ' کہتا ہے کہ ڈارون کے مذہب کی تائید ناممکن ہے اور اس کی رائے بچوں کی باتوں سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔

۶۔'آغاسیز' کہتا ہے کہ ڈارون کا مذہب سائنسی لحاظ سے بالکل غلط اور بے اصل ہے اور اس قسم کی باتوں کا علم سائنس سے کوئی تعلق نہیں ہوسکتا۔(ایضا ص۶۲)

۷۔'ہکسلے' (Huxley) کہتا ہے کہ جو دلائل ارتقاء کے لیے دیے جاتے ہیں ان سے یہ بات قطعاً ثابت نہیں ہوتی کہ نباتات یا حیوانات کی کوئی نوع کبھی طبعی انتخاب سے پیدا ہوتی ہو۔(ایضا)

۸۔'ٹنڈل' کہتا ہے کہ نظریۂ ڈارون قطعاً ناقابل التفات ہے کیونکہ جن مقدمات پر اس نظریہ کی بنیاد ہے وہ قابل تسلیم ہی نہیں ہیں۔" [آئینہ پرویزیت (صفحہ ۲۳۵تا۲۳۸)]

نظریہ ارتقاء کی مزید تردید وابطال کے لیے ایک ترکی صاحب علم جناب ھارون یحییٰ کی کتاب "نظریہ ارتقاء......ایک فریب" کا مطالعہ مفید رہے گا۔

پہلے انسان یعنی حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق:

قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک زمانہ ایسا بھی گزرا ہے جب نوع انسان کا نام ونشان تک نہ تھا جیسا کہ سورۃ الدھر میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا﴾[الدھر۔۱]

''کبھی گزرا ہے انسان پر ایک وقت زمانے میں جب کہ یہ قابل ذکر چیز نہ تھا''

پھر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا اور فرشتوں کے سامنے اس کا اظہار اس انداز سے فرمایا:

﴿وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِيْفَةً﴾[البقرۃ۔۳۰]

''اور جب تیرے رب نے کہا کہ میں زمین پر خلیفہ بنانے والا ہوں''

اس پر فرشتوں نے عرض کیا:

﴿اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾[البقرۃ۔۳۰]

''ایسے شخص کو کیوں پیدا کرتا ہے جو زمین میں فساد کرے اور خون بہائے اور ہم تیری تسبیح، حمد اور پاکیزگی بیان کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، میں جو جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔''

پھر اللہ تعالیٰ نے پہلے انسان یعنی حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا۔ انہیں کس طرح پیدا کیا گیا اس کی تفصیلات ہمیں دیگر قرآنی آیات اور صحیح احادیث سے ملتی ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھوں سے حضرت آدم علیہ السلام کا پتلا مٹی کے ساتھ بنایا اور پھر اس میں روح پھونک کر اسے زندگی بخشی۔ آئندہ سطور میں اس کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا ہوئے

قرآن مجید کے دلائل:

قرآن مجید کی درج ذیل آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا گیا:

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ﴾[الحجر۔۲۶]

''یقیناً ہم نے انسان کو اس خشک مٹی سے پیدا کیا جو کہ سڑے ہوئے گارے کی تھی۔''

اس آیت کے سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں الانسان سے مراد حضرت آدم ہیں۔

﴿قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ﴾[الاعراف۔۱۲]

''(شیطان نے کہا) کہ میں اس (آدم) سے بہتر ہوں (کیونکہ) تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے پیدا کیا ہے۔''

﴿فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا﴾[الاسرأ۔۶۱]

''ان سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے نہ کیا اور کہنے لگا کیا میں اسے سجدہ کروں جسے تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے؟''

﴿وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ﴾

''جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں مٹی سے ایک انسان (یعنی آدم علیہ السلام) کو پیدا کرنے والا ہوں۔''[الحجر۔۲۸]

﴿هُوَ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ قَضٰٓى اَجَلًا﴾[الانعام۔۲]

''اسی ذات (خداوندی) نے تم کو مٹی سے پیدا کیا اور پھر ایک وقت معین کیا۔''

﴿اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ﴾[الصّٰفّٰت۔۱۱]

''یقیناً ہم نے ان (انسانوں) کو لیس دار مٹی سے پیدا کیا ہے۔''

جس طرح پہلی پانچ آیات کا سیاق وسباق یہ بتاتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش مٹی سے ہوئی ہے اسی طرح یہ آخر الذکر دو آیات بھی اسی طرف اشارہ کرتی ہے اگرچہ ان میں ضمیر کا مرجع عام انسانوں کی طرف ہے مگر اس سے مراد یہ ظاہر کرنا ہے کہ تمہارے باپ آدم علیہ السلام جو تمہاری اصل ہیں اور جن سے تمہارا سلسلہ چلا ہے انہیں ہم نے مٹی ہی سے پیدا کیا تھا۔ اس کی مزید تائید اس حقیقت سے بھی ہوتی ہے کہ آدم علیہ السلام وحوا علیہا السلام کے علاوہ دیگر سبھی انسانوں کی تخلیق ہمیشہ سے قطرۂ آب (مادۂ تولید) سے ہوتی چلی آئی ہے مٹی سے نہیں۔ علاوہ ازیں درج ذیل آیت بھی اسی طرف راہنمائی کرتی ہے کہ نوع انسان کا آغاز ایک مٹی کے پتلے کی تخلیق سے ہوا اور پھر اگلی نسل کی تخلیق نطفہ سے ہونے لگی:

﴿اَلَّذِىْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَىْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ﴾[السجدۃ۔۷تا۹]

''جس (ذاتِ باری تعالیٰ) نے نہایت خوب بنائی جو چیز بھی بنائی اور انسان کی بناوٹ

مٹی سے شروع کی پھر اس کی نسل ایک بے وقعت پانی کے نچوڑ سے چلائی جسے ٹھیک ٹھاک کر کے اس میں اپنی روح پھونکی، اسی نے تمہارے کان، آنکھیں اور دل بنائے (اس پر بھی) تم بہت ہی تھوڑا شکر کرتے ہو۔"

احادیث کے دلائل:

درج ذیل احادیث سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا گیا:

۱)...... حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((خُلِقَتِ الْمَلَائِكَةُ مِنْ نُورٍ وَخُلِقَ الْجَانُّ مِنْ مَارِجٍ مِّنْ نَّارٍ وَخُلِقَ آدَمُ مِمَّا وُصِفَ لَكُمْ))[مسلم: كتاب الزهد والرقاق :باب فى احاديث متفرقة (۲۹۹۶)]

"فرشتوں کو نور سے پیدا کیا گیا اور جنات کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا گیا اور آدم علیہ السلام کو اس چیز سے پیدا کیا گیا جو تمہارے لیے (قرآن مجید میں) بیان کر دی گئی ہے۔"

۲)...... حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((ان اللہ تعالیٰ خلق آدم من قبضة قبضها من جميع الارض فجاء بنو آدم على قدر الارض فجاء منهم الاحمر والابيض والاسود وبين ذلك والسهل والحزن والخبيث والطيب))[ترمذی: كتاب تفسير القرآن :باب ومن سورة البقرة (۲۹۵۵) امام ترمذی اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں: هذا حديث حسن صحيح شیخ البانیؒ نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے: صحيح ترمذی (ح۲۳۱۴۳) ابو داؤد: كتاب السنة :باب فى القدر(ح٤٦٨١)مسند احمد(٤٠٦/٤)]

"اللہ تعالیٰ نے تمام زمین سے ایک مٹھی بھر مٹی لی اور اس سے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا، اسی لیے اولاد آدم علیہ السلام اس مٹی کی مناسبت سے پیدا ہوئے (یعنی) سرخ بھی، سفید بھی، سیاہ بھی اور ان کے مابین (اور ملتے جلتے رنگوں میں) بھی۔ اسی طرح آسودہ حال بھی، پریشان حال بھی، خبیث بھی اور پاکباز بھی۔"

۳)...... حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لما صور اللہ آدم فى الجنة تركه ماشاء اللہ ان يتركه فجعل ابليس يطيف به ينظر ما هو؟ فلما راٰه اجوف عرف انه خلق خلقا

لا یتمالک))[مسلم: کتاب البر و الصلة :باب خلق الانسان خلقا لا یتمالك (۲٦۱۱)]

''جب اللہ تعالیٰ نے جنت میں آدم علیہ السلام کی (پتلانما) صورت بنائی تو پھر اسے حسب منشا اسی حالت میں چھوڑے رکھا۔ ابلیس اس (پتلے) کے پاس آیا اور اس کے اردگرد چکر لگانے لگا اور دیکھنے لگا کہ یہ کیا چیز ہے؟ جب اس نے دیکھا کہ یہ درمیان سے خالی ہے تو فوراً پہچان گیا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی مخلوق پیدا کی ہے جو اپنے نفس پر قابو نہیں رکھتی۔''

حضرت آدم علیہ السلام نوے فٹ لمبے تھے!

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کا پتلا بنا کر اس میں روح پھونکی تو آپ کی قد وقامت ساٹھ (٦۰) ہاتھ یعنی نوے فٹ تھی جیسا کہ درج ذیل احادیث سے معلوم ہوتا ہے:

ا)......حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((خلق الله آدم وطوله ستون ذراعا فلما خلقه قال اذهب فسلم على اولئک من الملائكة فاستمع مايحيونک تحيتک وتحية ذريتک فقال السلام عليكم فقالوا السلام عليک ورحمة الله ،فزاده :ورحمة الله، فكل من يدخل الجنة على صورة آدم فلم يزل الخلق ينقص حتى الآن))[بخاری : کتاب احادیث الانبياء: باب خلق آدم وذريته(ح۳۳۲٦) مسلم: كتاب الجنة ونعيمها باب يدخل الجنة اقوام أفئدتهم مثل افئدة الطير(ح۲۸٤۱)]

''اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو انہیں ساٹھ ہاتھ لمبا بنایا۔ پھر جب انہیں پیدا فرما لیا تو ان سے کہا کہ جاؤ اور فرشتوں کو سلام کرو اور دیکھنا کہ وہ تمہیں کن لفظوں میں سلام کا جواب دیتے ہیں کیونکہ وہی تمہارا اور تمہاری اولاد کا طریقۂ سلام ہوگا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے (جا کر) کہا: السلام علیکم ،فرشتوں نے جواب دیا: السلام علیک ورحمة الله ۔فرشتوں نے ورحمة الله کا جملہ بڑھا دیا۔ پس جو کوئی بھی جنت میں داخل ہوگا وہ آدم علیہ السلام کی شکل اور قد وقامت پر داخل ہوگا۔ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد سے اب تک انسانوں کے قد مسلسل چھوٹے ہوتے رہے ہیں۔''

یعنی ساٹھ ہاتھ سے چھوٹے ہوتے ہوتے ہوئے اس حد تک پہنچ گئے جس حد پر یہ امت ہے اب اس میں مزید کمی ہوگی یا نہیں اس کے بارے میں حدیث کے ظاہری الفاظ سے معلوم

ہوتا ہے کہ اب قیامت تک یہی حد برقرار رہے گی اور اس میں کوئی بڑی تبدیلی نہیں ہوگی ماسوائے کسی مستثنیٰ صورت کے۔

۲)...... حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((خلق الله آدم على صورته طوله ستون ذراعا)) [بخاری: کتاب الاستئذان: باب بدء السلام (ح٦٢٢٧)مسلم : كتاب الجنة ونعيمها باب يدخل الجنة اقوام أفئدتهم مثلاافئدة الطير(ح٢٨٤١)]

"اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ان کی صورت ہی پر پیدا فرمایا اور (اس وقت) ان کی لمبائی ساٹھ (٦٠) ہاتھ تھی۔"

مذکورہ روایت میں علی صورته کے جو الفاظ وارد ہوئے ہیں ان کا ترجمہ ومفہوم میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ بعض نے تو اس کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ "آدم" کو اللہ تعالیٰ نے اپنی شکل وصورت پر پیدا فرمایا ہے۔" حالانکہ قرآن مجید میں ہے:

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾[الشوریٰ۔ ١١] "اس (اللہ) کے مثل کوئی نہیں"

یعنی نہ تو شکل وصورت کے اعتبار سے کوئی چیز اللہ کے مشابہ ہے اور نہ ارادہ واختیار کی قوت کے اعتبار سے۔ اس لیے آدم علیہ السلام کو اللہ کے مشابہ قرار دینے کا ترجمہ محل نظر ہے۔ اس کے علاوہ بھی اس کے کئی مفہوم بیان کیے گئے ہیں تاہم اس کا درست مفہوم یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ان کے پورے قد وقامت کے ساتھ اسی شکل و صورت پر پیدا فرمایا جس پر وہ ہمیشہ رہے۔ اور ان پر وہ مراحل نہیں آئے جو ہر انسان پر بچپن سے بڑھاپے تک آتے ہیں اور نہ ہی شکل وصورت اور بدن وجسم کے اعتبار سے انہیں ان تغیرات کا سامنا کرنا پڑا ہے جو ہر انسان کو قدرتی طور پر کرنا پڑتا ہے۔ واضح رہے کہ یہی مفہوم محدث ابن حبان نے امام ابو حاتم کے حوالے سے اپنی صحیح ابن حبان میں بیان کیا ہے۔ [دیکھیے: صحیح ابن حبان (جلد٨ صفحہ١٢)]

۳)...... حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((ان الله خلق آدم رجلاطوالا كثيرا الشعر الرأس كانه نخلة سحوق)) [قصص الانبیاء لابن کثیرؒ(١/٢٥) حاکم (٢/٢٦٢) امام حاکمؒ اور ذہبی نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے]

"اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو کھجور کے لمبے درخت کی طرح طویل قد وقامت کی

شکل کا آدمی بنا کر پیدا فرمایا اور ان کے سر کے بال بھی بہت گھنے تھے۔"

۴)......حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(ان اول زمرة)یدخلون الجنة ....علی صورة ابیهم آدم ستون ذراعا فی السماء [بخاری : کتاب احادیث الانبیاء،باب خلق آدم (۳۳۲۷)مسنداحمد(۲/۲۳۲)]

"جنت میں سب سے پہلے جو گروہ جائے گا......وہ اپنے باپ آدم علیہ السلام کی صورت پر ہوگا یعنی ساٹھ ہاتھ لمبا ہوگا۔"

۵)......"حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ایک اور روایت میں ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لوگ جنت میں اس قد وقامت پر داخل ہوں گے جو آدم علیہ السلام کو عطا کی گئی اور آدم علیہ السلام ساٹھ ہاتھ لمبے اور سات ہاتھ چوڑے تھے۔" [مسنداحمد(۲/۲۹۵)اس کی سند میں علی بن زید بن جدعان نامی ایک راوی ضعیف ہے]

حضرت آدم علیہ السلام جمعہ کے روز پیدا ہوئے:

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((خیر یوم طلعت علیه الشمس یوم الجمعة فیه خلق آدم وفیه ادخل الجنة وفیه اخرج منها ولاتقوم الساعة الا فی یوم الجمعة))[مسلم: کتاب الجمعة: باب فضل یوم الجمعة (ح ۸۵٤)ترمذی (ح٤۸۸)احمد(۲/٤۰۱)]

"دنوں میں سے بہترین دن جس پر سورج طلوع ہوتا ہے وہ جمعہ کا دن ہے، اسی دن حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا، اسی دن انہیں جنت میں داخل کیا گیا اور اسی دن انہیں جنت سے نکالا گیا اور جمعہ کے دن ہی قیامت قائم ہوگی۔"

گزشتہ آیات اور احادیث سے معلوم ہوا کہ

۱)......حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا فرمایا۔

۲)......یہ مٹی روئے ارضی کے مختلف حصوں سے اکٹھی کی گئی تھی۔

۳)......حضرت آدم علیہ السلام کا اس مٹی سے پتلا بنایا گیا۔

۴)......یہ پتلا اللہ نے اپنے ہاتھوں سے بنایا تھا۔

۵)......ایک عرصہ تک یہ خاکی پتلا اسی حالت میں رہا۔ یہ عرصہ کتنا تھا اس کے بارے میں کوئی صریح روایت موجود نہیں تاہم بعض اسرائیلی روایات کے مطابق یہ عرصہ چالیس سالوں پر محیط تھا۔ واللہ اعلم!

۶)......حضرت آدم کا یہ پتلا ساٹھ ہاتھ (یعنی نوے فٹ) لمبا تھا۔

۷)......پھر اس میں اللہ تعالیٰ نے روح پھونکی اور یہ جیتا جاگتا انسان بن گیا۔

۸)......بعض روایات میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق جمعہ کے روز ہوئی۔

حضرت حوا علیہا السلام کی تخلیق:

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی بیوی حضرت حواؑ کو کس طرح پیدا فرمایا؟ اس کے بارے میں قرآن وسنت میں صریح معلومات نہیں ملتیں تاہم قرآن مجید کی درج ذیل آیت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حضرت حوا کی تخلیق آدمؑ ہی سے ہوئی تھی ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ﴾[النساء۔ ۱]

''اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا فرمایا اور اسی جان سے اس کی بیوی (حواؑ) کو پیدا فرمایا (پھر) ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیں۔''

مذکورہ آیت کے یہ الفاظ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا (اسی ایک جان سے اس کی بیوی کو پیدا کیا) اس بات کی صراحت تو ضرور کرتے ہیں کہ اللہ نے آدم علیہ السلام ہی سے حضرت حوا کو پیدا کیا، تاہم یہ پیدائش کس طرح ہوئی اس کی وضاحت یہاں مذکور نہیں اور نہ ہی کسی صحیح حدیث سے اس کی وضاحت ملتی ہے۔ ایک صحیح حدیث میں یہ بات مذکور ہے کہ:

((استوصوا بالنساء فان المراة خلقت من ضلع وان اعوج شیء فی الضلع أعلاه فان ذهبت تقيمه كسرته وان تركته لم يزل اعوج فاستوصوا بالنساء)) [بخاری: كتاب احاديث الانبياء: باب خلق آدم وذريته (ح ۳۳۳۱) مسلم: كتاب الرضاع: باب الوصية بالنساء (ح ۵۹)]

''عورتوں کے بارے میں میری وصیت کا ہمیشہ خیال رکھنا کیونکہ عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے۔پسلی میں بھی سب سے زیادہ ٹیڑھا اوپر کا حصہ ہوتا ہے،تم میں سے اگر کوئی شخص اسے بالکل سیدھا کرنے کی کوشش کرے گا تو نتیجۃ اسے توڑ بیٹھے گا (ایک روایت میں ہے کہ اسے توڑنے سے مراد طلاق ہے) اور اگر اسے یونہی چھوڑ دے گا تو پھر یہ ہمیشہ ٹیڑھی ہی رہے گی۔لہذا عورتوں کے بارے میں میری نصیحت مانو،عورتوں سے اچھا سلوک کرو۔''

اس حدیث کے پیش نظر مفسرین کی ایک تعداد کا یہ کہنا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پسلی سے حوا کو پیدا کیا گیا تھا اور اس حدیث میں پسلی سے عورت کی تخلیق سے مراد تخلیق حوا ہی کی طرف اشارہ ہے۔جبکہ بعض اہل علم اس حدیث کو حقیقت کی بجائے تشبیہ پر محمول کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس حدیث میں عورت کی طبیعت کی اس کجی کی طرف اشارہ ہے جسے بدلنا نہایت مشکل ہے۔روایت کا سیاق وسباق بھی اس کی تائید کرتا ہے علاوہ ازیں اسی روایت کے دیگر طرق سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے مثلاً:

۱)......ایک روایت میں ہے:((انما المرأة كالضلع))[بخاری : کتاب النکاح: باب المداراة مع النساء] ''عورت پسلی کی مثل ہے۔''

اس حدیث میں کاف تشبیہ کے لیے ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا مقصود عورت کے کج رَو ہونے کی طرف ہے۔

۲)......((استوصوا بالنساء خيرا فانهن خلقن من ضلع))[بخاری:ایضا:باب الوصاة بالنساء (ح٥١٨٦)]

''عورتوں کے بارے میں میں تمہیں بھلائی کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ یہ پسلی سے پیدا کی گئی ہیں۔''

اس روایت میں ہے کہ سبھی عورتیں پسلی سے پیدا کی گئی ہیں۔اگر تو اسے حقیقت پر محمول کریں پھر یہ خلاف واقعہ ہے لہذا اسے مجازی وتمثیلی مفہوم پر ہی محمول کیا جائے گا۔

مولانا مودودیؒ کی رائے:

اس سلسلہ میں مولانا مودودیؒ نے بھی ایک اچھی رائے دی ہے چنانچہ موصوف مذکورہ

آیت کی تفسیر میں رقمطراز ہیں کہ

''اسی جان سے اس کا جوڑ ابنایا اس کی تفصیلی کیفیت ہمارے علم میں نہیں ہے۔ عام طور پر جو بات اہل تفسیر بیان کرتے ہیں اور جو بائبل میں بھی بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کی پسلی سے حوا کو پیدا کیا گیا (تلمود میں اور زیادہ تفصیل کے ساتھ یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت حوا کو حضرت آدم کی دائیں جانب کی تیرہویں پسلی سے پیدا کیا گیا تھا۔) لیکن کتاب اللہ اس بارے میں خاموش ہے اور جو حدیث اس کی تائید میں پیش کی جاتی ہے اس کا مفہوم وہ نہیں ہے جو لوگوں نے سمجھا ہے۔ لہٰذا بہتر یہی ہے کہ بات کو اسی طرح مجمل رہنے دیا جائے جس طرح اللہ نے اسے مجمل رکھا ہے اور اس کی تفصیلی کیفیت متعین کرنے میں وقت ضائع نہ کیا جائے۔'' [تفہیم القرآن: جلد ۱ صفحہ ۳۱۹، ۳۲۰]

راجح موقف:

حضرت حوا کی تخلیق اور عورت کے پسلی سے پیدا کئے جانے والی روایات کے حوالہ سے اہل علم کے مختلف نقطۂ ہائے نظر آپ ملاحظہ کر چکے ہیں اس سلسلہ میں مجھے جو رائے زیادہ متوازن اور نصوص سے قریب تر معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت حوا کو آدم کی پسلی ہی سے پیدا کیا گیا تھا۔ صحابہ کرام اور تابعین عظام اور دیگر ائمہ سلف سے بھی یہ بات منقول ہے۔

باقی رہا عورت کے پسلی سے پیدا کئے جانے والی روایات کی توجیہ کا مسئلہ تو ان میں تمثیلی صورت بھی اپنی جگہ پر موجود ہے اور وہ اس طرح کہ حضرت حوا کے حوالے سے ان احادیث کو حقیقت پر اور دیگر عورتوں کے حوالے سے انہیں مجاز پر محمول کیا جائے گا کیونکہ دیگر عورتیں تو پسلی سے پیدا نہیں ہوئیں۔

اس توجیہ کی تائید ان روایات سے بھی ہوتی ہے جن میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو روئے ارضی کے مختلف حصوں کی مٹی سے پیدا فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی اولاد بھی زمین کے ان مختلف حصوں کی نرمی سختی وغیرہ سے متاثر ہوئی۔ اب ان احادیث میں بھی حقیقت ومجاز کے دونوں پہلو موجود ہیں یعنی حضرت آدم کے لیے تو یہ امر حقیقت پر مبنی ہے کہ انہیں مٹی سے پیدا کیا گیا جب کہ اولاد آدم کے لیے یہ مجاز ہے اور وہ اس طرح کہ مٹی کی سختی ونرمی کو ان کے مزاج کی سختی ونرمی سے تعبیر کر دیا گیا۔ واللہ اعلم!

دوسری فصل:

انسانوں کی تخلیق اور ان سے عہد و پیمان

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام کی تخلیق کس طرح فرمائی، اس کی ضروری تفصیلات گزشتہ سطور میں بیان ہو چکی ہیں۔ اب آئندہ سطور میں ہم یہ واضح کریں گے کہ تا قیامت آنے والی نسل آدم کا سلسلہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح سے جاری فرمایا۔ تاہم اس سے پہلے چند ایک صحیح احادیث کا تذکرہ مناسب معلوم ہوتا ہے جن کے مطابق خرقِ عادت کے طور پر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے قیامت تک آنے والی ساری نسل انسانی پیدا فرمائی اور ان سے اپنی ربوبیت کا اقرار لیا۔ گویا انہیں ان کا مقصد تخلیق بتانے اور ان پر حجت قائم کرنے کے لیے ایسا کیا گیا۔

نسلِ انسانی کی تخلیق اور الست بربکم کا عہد و پیمان

﴿وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ﴾ [الاعراف۔ ۱۷۲]

''اور جب آپ کے رب نے آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان سے ان ہی کے متعلق اقرار لیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا کیوں نہیں! ہم سب گواہ بنتے ہیں۔ (یہ اقرار اس لیے لیا) تاکہ تم لوگ قیامت کے روز یوں نہ کہو کہ ہم تو اس سے محض بے خبر تھے۔''

اس آیت کی تفسیر مختلف اہل علم نے مختلف انداز میں کی ہے تاہم اس کی جو تفسیر قرآن کے ظاہری الفاظ کی تائید کرتی ہے وہ بعض احادیث میں اس طرح موجود ہے:

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر پوچھی گئی تو انہوں نے فرمایا کہ یہی سوال اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا اور آپ نے اس کا یہ جواب دیا کہ

((ان الله خلق آدم ثم مسح ظهره بيمينه فاستخرج منه ذرية فقال خلقت هؤلآء للجنة وبعمل اهل الجنة ......)) [موطا(۸۹۸/۲)احمد(۴۴/۱)حاکم (۲۷/۱)ابن حبان (۶۱۶۶)ابو داؤد: کتاب السنة :باب فی سورة الاعراف (۴۷۰۳) شیخ البانیؒ نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا۔دیکھیے: مشکاة بتحقيق الثانی (۹۶)]

''اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا پھر ان کی پشت پر ہاتھ پھیرا اور ان سے کچھ اولاد نکالی اور فرمایا کہ انہیں میں نے جنت کے لیے پیدا کیا ہے اور یہ جنتیوں والے کام کریں گے۔پھر کچھ اولاد نکالی اور فرمایا کہ انہیں میں نے جہنم کے لیے پیدا کیا ہے اور یہ جہنمیوں والے کام کریں گے۔اس پر ایک آدمی نے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ پھر کوئی عمل کرنے کی کیا ضرورت؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی شخص کو جنت کے لیے پیدا فرمائیں تو پھر اس سے وہی عمل کرواتے ہیں جو جنتیوں والے عمل ہوں حتی کہ اسی حالت میں وہ فوت ہو کر جنت میں داخل ہو جاتا ہے اور جسے اللہ تعالیٰ جہنم کے لیے پیدا فرماتے ہیں تو اس سے وہی عمل کرواتے ہیں جو اہل جہنم کے ہوں اور وہ اہل جہنم کے عمل ہی پر مرتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ اسے جہنم میں ڈال دیتے ہیں''

۲)......حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

''عرفہ کے روز نعمان نامی مقام (جو عرفہ کے پاس واقع ہے) پر اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی اولاد سے میثاق لیا وہ اس طرح کہ آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی اولاد ظاہر فرمائی اور انہیں اپنے سامنے پھیلا دیا۔پھر ان سے پوچھا: کیا میں تمہارا رب نہیں؟ سب نے کہا: کیوں نہیں، ہم سب یہ گواہی دیتے ہیں کہ آپ ہمارے رب ہیں۔''

[مسند احمد (۲۷۲/۱)مستدرك حاکم (۵۴۴/۲)امام حاکم اور ذہبی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔شیخ البانیؒ نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے دیکھیے :السلسلة الصحيحة (۲۳ ۱) اس کے دیگر شواہد کے لیے دیکھیے : مجمع الزوائد (۱۸۶/۷، ۱۸۸)]

۳)......حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

''اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو جب پیدا فرما لیا تو ان کے دائیں کندھے پر ضرب لگائی

اور سفید اولاد نکالی (وہ اس طرح تھی کہ) گویا چیونٹیاں ہوں پھر بائیں کندھے پر ضرب لگائی اور سیاہ اولاد نکالی۔ گویا کہ وہ کوئلے ہیں۔ دائیں کندھے والوں کے بارے میں فرمایا کہ یہ جنتی ہیں اور مجھے کوئی پروا نہیں پھر بائیں کندھے والوں کے لیے فرمایا کہ یہ جہنمی ہیں اور مجھے کوئی پروا نہیں۔'' [مسند احمد (٤٤١/٦) شیخ البانیؒ نے اسے صحیح قرار دیا ہے السلسلة الصحیحة (٤٩)]

کیا یہ عہد صرف روحوں سے لیا گیا تھا؟

ہمارے ہاں یہ بات معروف ہے کہ مذکورہ بالا روایات میں اولاد آدم کے جس عہد کا ذکر کیا گیا ہے وہ ان کے بدنوں سے نہیں بلکہ روحوں سے لیا گیا تھا لیکن یہ نقطۂ نظر درست معلوم نہیں ہوتا۔ اول تو اس لیے کہ جن صحیح احادیث میں اس وعدے کی تفصیلات کا ذکر ہے ان میں سے کسی ایک میں بھی 'ارواح' کا تذکرہ نہیں ملتا بلکہ ذریت، اور اولاد کا تذکرہ ملتا ہے۔ علاوہ ازیں ان احادیث کے سیاق وسباق سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ اولاد آدم کے اجسام (یعنی بدن اور روح) سے یہ خطاب ہوا اور ان سب نے اللہ کی ربوبیت والوہیت کا اقرار کیا۔ اس کے علاوہ اسی نوعیت کی درج ذیل ایک اور حدیث سے بھی ہمارے موقف کی تائید ہوتی ہے:

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو ان کی پشت پر ہاتھ پھیرا جس کے نتیجے میں آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے قیامت تک پیدا ہونے والی ہر جان (نسمہ) باہر نکل آئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ہر انسان کی آنکھوں کے درمیان نور کی چمک پیدا فرمائی پھر انہیں آدمؑ کے سامنے پیش کیا۔ حضرت آدمؑ کہنے لگے: یارب یہ کون ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ تیری اولاد ہے۔ حضرت آدمؑ نے ان میں سے ایک شخص کو دیکھا جس کی آنکھوں کے درمیان (پیشانی پر) نور نے انہیں بہت متاثر کیا تو حضرت آدمؑ کہنے لگے: یارب یہ کون ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ تیری اولاد میں سے آنے والی آخری امتوں میں سے ایک آدمی ہے اور اس کا نام داؤد ہے۔ آدمؑ فرمانے لگے کہ یارب تو نے اس کی عمر

کتنی مقرر فرمائی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ساٹھ سال۔ آدمؑ فرمانے لگے: یارب میری عمر میں سے بھی چالیس سال اسے عطا کر دیجیے۔ جب حضرت آدمؑ کی عمر پوری ہوگئی اوران کے پاس ملک الموت تشریف لائے تو آدمؑ ان سے کہنے لگے: کیا ابھی میری عمر کے چالیس سال باقی نہیں ہیں؟ اس پر موت کے فرشتے نے ان سے عرض کی: کیا آپ نے وہ چالیس سال اپنے بیٹے داؤدکو نہیں دیئے تھے؟ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ حضرت آدمؑ نے انکار کر دیا اوراس کی اولاد بھی (یعنی تمام بنی آدم اسی وجہ سے) انکاری بنی اور حضرت آدمؑ بھول گئے (کہ میں نے یہ عمر داؤد کو ہبہ کر دی تھی) اور اولاد آدم بھی (اسی وجہ سے) بھول چوک میں مبتلا ہوئی اور آدم نے غلطی کی، اسی وجہ سے اس کی اولاد بھی خطا کرنے والی ہوئی۔'' [ترمذی: کتاب التفسیر: باب ومن سورۃ الاعراف (۳۰۷۶) ابن حبان (۶۱۶۷) حاکم (۱/۶٤-۲/۵۸۲، ٤/۲۶۳) امام حاکم اور ذھبی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ نیز دیکھیے صحیح الترمذی للالبانیؒ (۲٤۵۹)]

امام قرطبی سورۃ اعراف کی آیت ۱۷۲ کے ضمن میں رقمطراز ہیں کہ

''بعض اہل علم نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم کو ایک دوسرے سے پیدا فرمایا ہے ......اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جسموں کو پیدا کرنے سے پہلے روحوں کو پیدا کیا تھا (جن سے یہ معاہدہ لیا) پھر موصوف فرماتے ہیں کہ حدیث نبوی سے جو بات معلوم ہوتی ہے وہ ان دونوں اقوال کے علاوہ ہے اور وہ یہ ہے کہ ((وانہ تعالیٰ اخرج الاشباح فیھا الارواح من ظھر آدم علیہ السلام)) ''اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کی پشت سے بدن نکالے جن میں روحیں بھی موجود تھیں''

کیا یہ عہد مجازی اور تمثیلی تھا؟

بعض اہل علم کے بقول یہ سارا واقعہ مجازی اور تمثیلی نوعیت کا تھا اور حقیقت سے اس کا کچھ تعلق نہیں تھا مگر ان کی یہ بات محل نظر ہے۔ اس لیے کہ مذکورہ بالا صریح روایات اس کے حقیقی پہلو او رعملی صورت کو نمایاں کر رہی ہیں جبکہ اسے مجازی (تخیلی/تمثیلی Allegorical) قرار دینے کا نہ کوئی ثبوت ہے اور نہ قرینہ۔ امام شوکانی سورۃ اعراف کی

مذکورہ آیت (۱۷۲) کی تفسیر میں رقمطراز ہیں کہ

((والمعنیٰ ان اللہ سبحانہ لماخلق آدم مسح ظھرہ فاستخرج منہ ذریتہ واخذ علیھم العھد وھؤلاء ھم عالم الذر وھذا ھوالحق الذی لاینبغی العدول عنہ ولاالمصیرالی غیرہ لثبوتہ مرفوعا الی النبی وموقوفا علی غیرہ من الصحابۃ ولاملجئی للمصیر الی المجاز))

''اس آیت کی تفسیر یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو پیدا فرمایا تو ان کی پشت پر ہاتھ پھیرا اور ان سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان سے عہد لیا اور یہی 'عالم ذر' کہلاتا ہے۔ (پھر موصوف فرماتے ہیں کہ مذکورہ آیت کی) یہی تفسیر صحیح اور حق ہے جس سے عدول ممکن نہیں اور اس کے علاوہ اس کا کوئی اور مفہوم درست نہیں کیونکہ یہی تفسیر مرفوعاً نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور موقوفاً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے اور اسے مجاز پر محمول کرنا بھی درست نہیں ہے۔''

اس آیت کی تفسیر میں مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں کہ

''اس معاملہ کو بعض لوگ محض تمثیلی انداز بیان پر محمول کرتے ہیں۔ان کا خیال یہ ہے کہ دراصل قرآن مجید صرف یہ بات ذہن نشین کرانا چاہتا ہے کہ اللہ کی ربوبیت کا اقرار انسانی فطرت میں پیوست ہے اور اس بات کو یہاں ایسے انداز سے بیان کیا گیا ہے کہ گویا یہ ایک واقعہ تھا جو عالم خارجی میں پیش آیا۔لیکن ہم اس تاویل کو صحیح نہیں سمجھتے۔ قرآن اور حدیث دونوں میں اسے بالکل ایک واقعہ کے طور پر بیان کیا گیا ہے اور صرف بیان واقعہ پر ہی اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ قیامت کے روز بنی آدم پر حجت قائم کرتے ہوئے اس ازلی عہد واقرار کو سند میں پیش کیا جائے گا۔لہذا کوئی وجہ نہیں کہ ہم اسے محض ایک تمثیلی بیان قرار دیں۔ ہمارے نزدیک یہ واقعہ بالکل اسی طرح پیش آیا تھا جس طرح عالم خارجی میں واقعات پیش آیا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فی الواقع ان تمام انسانوں کو جنہیں وہ قیامت تک پیدا کرنے کا ارادہ رکھتا تھا، بیک وقت زندگی اور شعور اور گویائی عطا کرکے اپنے سامنے حاضر کیا تھا، اور فی الواقع انہیں اس حقیقت سے پوری طرح آگاہ کردیا تھا کہ ان کا کوئی رب اور کوئی الٰہ

اس کی ذات اقدس واعلیٰ کے سوا نہیں ہے، اور ان کے لیے کوئی صحیح طریق زندگی اس کی بندگی وفرماں برداری (اسلام) کے سوا نہیں ہے۔ اس اجتماع کو اگر کوئی شخص بعید از مکان سمجھتا ہے تو یہ محض اس کے دائرہ فکر کی تنگی کا نتیجہ ہے، ورنہ حقیقت میں تو نسل انسانی کی موجودہ تدریجی پیدائش جتنی قریب از مکان ہے اتنا ہی ازل میں ان کا مجموعی ظہور، اور ابد میں ان کا مجموعی حشر ونشر بھی از امکان ہے۔ پھر یہ بات نہایت معقول معلوم ہوتی ہے کہ انسان جیسی صاحب عقل وشعور اور صاحب تصرف واختیارات مخلوق کو زمین پر بحیثیت خلیفہ مامور کرتے وقت اللہ تعالیٰ اسے حقیقت سے آگاہی بخشے اور اس سے اپنی وفاداری کا اقرار (Oath of allwgiance) لے۔ اس معاملہ کا پیش آنا قابل تعجب نہیں، البتہ یہ پیش نہ آتا تو ضرور قابل تعجب ہوتا'' [تفسیر 'تفہیم القرآن' جلد ۲۔ صفحہ ۹۶، ۹۷]

ہمیں یہ عہد کیوں یاد نہیں؟

مولانا موصوفؒ فرماتے ہیں کہ:

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ ازلی میثاق فی الواقع عمل میں آیا بھی تھا تو کیا اس کی یاد ہمارے شعور اور حافظہ میں محفوظ ہے؟ کیا ہم میں سے کوئی شخص بھی یہ جانتا ہے کہ آغاز آفرینش میں وہ اپنے خدا کے سامنے پیش کیا گیا تھا اور اس سے الست بربکم کا سوال ہوا تھا اور اس نے بلیٰ کہا تھا؟ اگر نہیں تو پھر اس اقرار کو جس کی یاد ہمارے شعور وحافظہ سے محو ہو چکی ہے ہمارے خلاف حجت کیسے قرار دیا جا سکتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اس میثاق کا نقش انسان کے شعور اور حافظہ میں تازہ رہنے دیا جاتا تو انسان کا دنیا کی موجودہ امتحان گاہ میں بھیجا جانا سرے سے فضول ہو جاتا کیونکہ اس کے بعد تو اس آزمائش وامتحان کے کوئی معنی ہی باقی نہ رہ جاتے۔ لہٰذا اس نقش کو شعور وحافظہ میں تو تازہ نہیں رکھا گیا، لیکن وہ تحت الشعور (Sub.consious mind) اور وجدان (Intuition) میں یقیناً محفوظ ہے۔ اس کا حال وہی ہے جو ہمارے تمام دوسرے تحت الشعوری اور وجدانی علوم کا حال

ہے۔تہذیب وتمدن اور اخلاق و معاملات کے تمام شعبوں میں انسان سے آج تک جو کچھ بھی ظہور میں آیا ہے وہ سب درحقیقت انسان کے اندر بالقوۃ (Potentially) موجود تھا۔خارجی محرکات اور داخلی تحریکات نے مل جل کر اگر کچھ کیا ہے تو صرف اتنا کہ جو کچھ بالقوۃ تھا اسے بالفعل کر دیا۔یہ ایک حقیقت ہے کہ کوئی تعلیم، کوئی تربیت، کوئی ماحولی تاثیر اور کوئی داخلی تحریک انسان کے اندر کوئی چیز بھی، جو اس کے اندر بالقوۃ موجود نہ ہو، ہرگز پیدا نہیں کر سکتی۔اور اسی طرح یہ سب موثرات اگر اپنا تمام زور بھی صرف کر دیں تو ان میں یہ طاقت نہیں ہے کہ ان چیزوں میں سے جو انسان کے اندر بالقوۃ موجود ہیں، کسی چیز کو قطعی محو کر دیں۔زیادہ سے زیادہ جو کچھ وہ کر سکتے ہیں وہ صرف یہ ہے کہ اسے اصل فطرت سے منحرف (Pervert) کر دیں۔ لیکن وہ چیز تمام تحریفات و تمسیخات کے باوجود اندر موجود رہے گی، ظہور میں آنے کے لیے زور لگاتی رہے گی، اور خارجی اپیل کا جواب دینے کے لیے مستعد رہے گی، یہ معاملہ جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا، ہمارے تمام تحت الشعوری اور وجدانی علوم کے ساتھ عام ہے۔وہ سب ہمارے اندر بالقوۃ موجود ہیں اور ان کے موجود ہونے کا یقینی ثبوت ان چیزوں سے ہمیں ملتا ہے جو بالفعل ہم سے ظاہر ہوتی ہیں۔ان سب کے ظہور میں آنے کے لیے خارجی تذکیر (یاددہانی)، تعلیم و تربیت، اور تشکیل کی ضرورت ہوتی ہے، اور جو کچھ ہم سے ظاہر ہوتا ہے وہ گویا درحقیقت خارجی اپیل کا وہ جواب ہے جو ہمارے اندر کی بالقوۃ موجودات کی طرف سے ملتا ہے۔

ان سب کو اندر کی غلط خواہشات اور باہر کی غلط تاثیرات دبا کر، پردہ ڈال کر، منحرف اور مسخ کر کے کالعدم کر سکتی ہیں مگر بالکل معدوم نہیں کر سکتیں، اور اسی لیے اندرونی احساس اور بیرونی سعی دونوں سے اصلاح اور تبدیلی (Conversion) ممکن ہوتی ہے۔

ٹھیک ٹھیک یہی کیفیت اس وجدانی علم کی بھی ہے جو ہمیں کائنات میں اپنی حقیقی حیثیت اور خالق کائنات کے ساتھ اپنے تعلق کے بارے میں حاصل ہے۔

اس کے موجود ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ وہ انسانی زندگی کے ہر دور میں، زمین کے ہر خطہ میں، ہر بستی، ہر پشت اور ہر نسل میں ابھرتا رہا ہے اور کبھی دنیا کی کوئی طاقت اسے

محو کردینے میں کامیاب نہیں ہو سکی ہے۔اس کے مطابق حقیقت ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ جب کبھی وہ ابھر کر بالفعل ہماری زندگی میں کارفرما ہوا ہے اس نے صالح اور مفید نتائج ہی پیدا کیے ہیں۔اس کو ابھرنے اور ظہور میں آنے اور عملی صورت اختیار کرنے کے لیے ایک خارجی اپیل کی ہمیشہ ضرورت رہی ہے چنانچہ انبیاء علیہم السلام اور کتب آسمانی اور ان کی پیروی کرنے والے داعیان حق سب کے سب یہی خدمات انجام دیتے رہے ہیں۔اسی لیے ان کو قرآن میں مذکر (یاددلانے والے) ذکر (یاد) تذکرہ (یادداشت) اور ان کے کام کو تذکیر (یاددہانی) کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ انبیاء اور کتابیں اور داعیان حق انسان کے اندر کوئی نئی چیز پیدا نہیں کرتے بلکہ اسی چیز کو ابھارتے اور تازہ کرتے ہیں جو ان کے اندر پہلے سے موجود تھی۔نفس انسانی کی طرف سے ہر زمانہ میں اس تذکیر کا جواب بصورت لبیک ملنا اس بات کا مزید ایک ثبوت ہے کہ اندر فی الواقع کوئی علم چھپا ہوا تھا جو اپنے پکارنے والے کی آواز پہچان کر جواب دینے کے لیے ابھر آیا۔پھر اسے جہالت اور جاہلیت اور خواہشات نفس اور تعصبات اور شیاطین جن وانس کی گمراہ کن تعلیمات وترغیبات نے ہمیشہ دبانے اور چھپانے اور منحرف کرنے اور مسخ کرنے کی کوشش کی ہے جس کے نتیجے میں شرک ،دہریت،الحاد،زندقہ اور اخلاقی وعملی فساد رونما ہوتا رہا ہے۔لیکن ضلالت کی ان ساری طاقتوں کے متحدہ عمل کے باوجود اس علم کا پیدائشی نقش انسان کی لوح دل پر کسی نہ کسی حد تک موجود رہا ہے اور اسی لیے تذکیر وتجدید کی کوششیں اسے ابھارنے میں کامیاب ہوتی رہی ہیں۔بلاشبہ دنیا کی موجود زندگی میں جو لوگ حق اور حقیقت کے انکار پر مصر ہیں وہ اپنی حجت بازیوں سے اس پیدائشی نقش کے وجود کا انکار کرسکتے ہیں یا کم از کم اسے مشتبہ ثابت کرسکتے ہیں لیکن جس روز یوم الحساب برپا ہوگا اس روز ان کا خالق ان کے شعور وحافظہ میں روز ازل کے اس اجتماع کی یاد تازہ کردے گا جبکہ انہوں نے اس کو اپنا واحد معبود اور واحد رب تسلیم کیا تھا۔پھر وہ اس بات کا ثبوت بھی ان کے اپنے نفس ہی سے فراہم کردے گا کہ اس میثاق کا نقش ان کے نفس میں برابر موجود رہا اور یہ بھی وہ ان کی اپنی زندگی ہی کے ریکارڈ سے علی رؤس الاشہاد

دکھادے گا کہ انہوں نے کس کس طرح اس نقش کو دبا دیا، کب کب اور کن کن موقعوں پر ان کے قلب سے تصدیق کی آوازیں اٹھیں، اپنی اور اپنے گرد وپیش کی گمراہیوں پر ان کے وجدان نے کہاں کہاں اور کس کس وقت صدائے انکار بلند کی، داعیان حق کی دعوت کا جواب دینے کے لیے ان کے اندر چھپا ہوا علم کتنی کتنی مرتبہ اور کس کس جگہ ابھرنے پر آمادہ ہوا اور پھر وہ اپنے تعصبات اور اپنی خواہشات نفس کی بنا پر کیسے کیسے حیلوں اور بہانوں سے اس کو فریب دیتے اور خاموش کردیتے رہے، وہ وقت جبکہ یہ سارے راز فاش ہوں گے حجت بازیوں کا نہ ہوگا بلکہ صاف صاف اقرار جرم کا ہوگا۔ اسی لیے قرآن مجید کہتا ہے کہ اس وقت مجرمین یہ نہیں کہیں گے کہ ہم جاہل تھے یا غافل تھے، بلکہ یہ کہنے پر مجبور ہوں گے کہ ہم کافر تھے یعنی ہم نے جان بوجھ کر حق کا انکار کیا۔ وشهدوا على انفسهم انهم كانوا كافرين (الانعام: ۱۳۰)" [تفہیم القرآن: ج۲ ص ۹۷تا۹۹]

انسانوں کی تخلیق کے مراحل

حضرت آدمؑ وحواؑ کی پیدائش خرق عادت امور سے تعلق رکھتی ہے کیونکہ ان کی پیدائش کے لیے اللہ تعالیٰ نے وہ طریقہ اختیار نہیں فرمایا جو دیگر انسانوں کی تخلیق کے لیے مقرر فرمادیا ہے۔ دیگر انسانوں کی تخلیق کی صورت یہ ہے کہ مرد وزن کے اختلاط سے مردانہ مادہ تولید (نطفہ Sperm) عورت کے رحم میں اس کے مادہ تولید (بیضہ انثیٰ Egg) سے ملتا ہے اور اللہ کے حکم سے اسے بارآور کرتا ہے۔ پھر یہ بارآور خلیہ رحم مادر میں پرورش پاتا ہے اور مختلف مراحل سے گزرتے ہوئے یعنی نطفہ سے علقہ، علقہ سے مضغہ اور اس سے پھر انسانی بچے کی شکل وصورت اختیار کر کے دنیا میں آتا ہے۔ پھر یہ بچہ نشوونما پاتے ہوئے بھرپور جوانی حاصل کرتا ہے۔ پھر اس کے بعد بڑھاپے کا سفر کرتا ہے اور بالآخر اپنی زندگی پوری کر کے آخرت کا سفر شروع کردیتا ہے۔ یہ تو ہیں انسانی تخلیق کے وہ مختلف مراحل جن میں ارتقا وتدریج کی ایک خاص شکل پائی جاتی ہے اور یہی شکل ہمارے مشاہدہ میں رہتی ہے جبکہ قرآن مجید بھی اسی شکل اور انہی ارتقائی مراحل کی نشاندہی کرتا ہے لیکن اگر کوئی یہ سمجھے کہ

انسان نباتات سے حشرات اور حشرات سے حیوانات کے کسی ارتقائی سفر کے بعد بندروں سے ہوتے ہوئے انسان بنا ہے تو اس کی اس سوچ اور نظریہ کی نہ قرآن وسنت تائید کرتے ہیں اور نہ مشاہدہ وتجربہ! قرآن وسنت اس سلسلہ میں جو معلومات مہیا کرتے ہیں ان کا حاصل گزشتہ سطور میں بیان کیا گیا ہے اب ہم ان سے متعلقہ دلائل کا تذکرہ کرتے ہیں۔

انسان نطفہ (مادہ) سے پیدا ہوتا ہے اس کے بارے میں قرآن مجید میں ہے کہ

﴿اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ﴾ [یس: ۷۷]

"کیا انسان کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ ہم نے اسے ایک نطفے سے پیدا کیا ہے؟ پھر وہ صریح جھگڑالو بن بیٹھا!"

پھر جب مرد وزن کے نطفوں کا ملاپ ہوتا ہے تو اس سے زائیگوٹ بنتا ہے جسے درج ذیل آیت میں اَمْشَاج کہا گیا ہے:

﴿اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا﴾ [الدھر۔۲]

"بے شک ہم نے انسان کو (مرد وزن کے) ملے جلے نطفے سے پیدا کیا تا کہ اس کا امتحان لیں اور اسے ہم نے سننے اور دیکھنے والا بنایا ہے۔"

پھر رحم مادر میں یہی نطفہ جن ارتقائی وتدریجی مراحل کو طے کرتا ہے اس کے بارے میں یوں اشارہ فرمایا گیا ہے:

﴿ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ﴾ [المؤمنون۔۱۳،۱۴]

"پھر ہم نے اسے نطفہ بنا کر محفوظ جگہ میں قرار دے دیا، پھر نطفے کو ہم نے جما ہوا خون بنا دیا پھر اس خون کے لوتھڑے کو گوشت کا ٹکڑا کر دیا۔ پھر گوشت کے ٹکڑے میں ہڈیاں پیدا کر دیں، پھر ہڈیوں کو ہم نے گوشت پہنا دیا پھر دوسری بناوٹ میں اس کو پیدا کر دیا۔ برکتوں والا ہے وہ اللہ جو سب سے اچھا پیدا کرنے والا ہے۔"

باب سوم

اللہ اور انسان کے باہمی تعلقات کی بنیادیں

کتاب کے پہلے باب میں ہم نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں اور دوسرے باب میں انسان کے بارے میں ضروری باتوں سے واقفیت حاصل کر لی ہے، اب اس باب میں ہم اللہ اور انسان کے باہمی تعلق کے حوالے سے گفتگو کریں گے۔

اللہ اور انسان کا سب سے پہلا تعلق خالق اور مخلوق کا ہے یعنی یہ تعلق کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور اس پر اپنا ہر طرح کا انعام واکرام فرمایا ہے۔ دوسرا تعلق عابد اور معبود کا ہے یعنی یہ کہ انسان اپنے پیدا کرنے والے کی مکمل طور پر بندگی اور فرمانبرداری کرے اور ان مقاصد کو پورا کرنے کی پوری کوشش کرے جن کے لیے اسے پیدا کیا گیا ہے۔ تیسرا تعلق غنی اور محتاج کا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ انسان کمزور اور محتاج ہے اور ہر لمحہ اپنے خالق کے تعاون کا محتاج ہے۔ اس لیے اسے چاہیے کہ وہ اپنی کمزوری اور محتاجی کے مداوا کے لیے اپنے خالق ہی کا سہارا لے۔

اللہ اور انسان کے درمیان تعلقات کی یہی وہ بنیادیں ہیں جنھیں قرآن مجید نے واضح کرنے کی کوشش کی ہے اور اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ توحید و شرک کی ساری بحثیں اسی کے گرد گردش کرتی ہیں۔ اس لیے آئندہ صفحات میں ہم ان تینوں طرح کے تعلقات پر قرآن مجید اور صحیح احادیث کی روشنی میں گفتگو کریں گے اور توحید و شرک کی حقیقت واضح کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہر طرح کے تعصبات سے بالاتر ہو کر توحید و شرک کا مسئلہ سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

پہلی فصل

پہلا تعلق ..... خالق اور مخلوق کا!

اللہ تعالیٰ نے ہم سب انسانوں کو پیدا کیا ہے اس لیے ہم اللہ کی مخلوق اور اللہ ہمارے خالق ہیں۔ خالق ہی نہیں بلکہ ہمارے حقیقی رازق و مالک بھی اللہ تعالیٰ ہی ہیں۔ جسے جتنا چاہیں مال و دولت، دنیوی وسائل اور انعام و اکرام سے نواز دیں، جسے چاہیں ان نعمتوں سے محروم کر دیں اور تنگی و مصیبت میں مبتلا کر دیں، جسے چاہیں صحت، طاقت اور خوشحالی سے نواز دیں اور جسے چاہیں مرض اور وبا میں مبتلا کر دیں۔ جس طرح ہماری موت و حیات اسی اللہ کے ہاتھ میں ہے اسی طرح ہماری تقدیر بھی اسی کے دائرہ اختیار میں ہے۔ وہی مختار کل ہے، وہی قادر مطلق ہے، وہی مشکل کشا ہے، وہی حاجت روا ہے، وہی بگڑی بنانے والا ہے، وہی مشکل سنوارنے والا ہے۔ اسی کے ہاتھ میں زندگی اور موت ہے، اسی کے پاس سارے خزانے ہیں، اسی کے حکم سے ہوائیں چلتی ہیں، اسی کے اشارے سے بارشیں برستی ہیں، اور اسی کے امر سے شمس و قمر طلوع اور غروب ہوتے ہیں۔

اس کے حکم کو کوئی بدل نہیں سکتا، اس کے فیصلے کو کوئی ٹال نہیں سکتا، اس کے تصرف میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں کر سکتا، اس کے قہر و غضب کا کوئی سامنا نہیں کر سکتا، اس کے رحم و کرم کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا، اس کے انعامات کا کوئی شکر ادا نہیں کر سکتا، اس کی عبادت کا کوئی حق ادا نہیں کر سکتا۔ وہ پکڑنے پر آئے تو کوئی چھڑا نہیں سکتا، وہ مارنے پر آئے تو کوئی بچا نہیں سکتا، وہ غرق آب کرنے پر آئے تو کوئی نکال نہیں سکتا، وہ عذاب دینے پر آئے تو کوئی ٹال نہیں سکتا، وہ سزا دینے پر آئے تو کوئی روک نہیں سکتا۔

اس کی رحمت کا دریا بے کنار ہے، اس کے عفو کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے، اس کی بخشش ہر دم جاری ہے، وہ اپنے فرمانبرداروں کو پسند کرتا ہے اور نافرمانوں سے ناراض ہوتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہم نے اللہ کو سمجھا نہیں، اس کے بارے میں جانا نہیں، اس کی کتاب

کو پڑھا نہیں، اس کی کتاب قرآن مجید میں شاید ہمارے جیسے ناشکروں اور اپنے خالق سے بے رخی اختیار کرنے والوں ہی کے بارے میں یہ کہا گیا ہے:

﴿وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌ بِيَمِيْنِهٖ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾[الزمر۔٦٧]

''انہوں نے اللہ تعالیٰ کی جیسی قدر پہچاننا واجب تھی ویسی قدر نہ پہچانی۔ساری زمین قیامت کے دن اس کی مٹھی میں ہوگی اور تمام آسمان اس کے داہنے ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے۔وہ پاک اور برتر ہے ہر اس چیز سے جسے لوگ اس کا شریک بناتے ہیں۔''

آیئے! آئندہ سطور میں ہم اللہ کی کتاب قرآن مجید کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں کہ وہ ہمارا خالق، مالک اور رازق کس طرح ہے۔

سب کچھ ایک اللہ ہی نے پیدا کیا ہے:

﴿اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ﴾[الزمر۔٦٢]

''اللہ ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا اور وہی ہر چیز کا محافظ ہے۔''

﴿الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ۝ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا﴾[الفرقان۔٣٧]

''آسمانوں اور زمین کی سلطنت اسی اللہ کے لیے ہے اور وہ کوئی اولاد نہیں رکھتا، نہ اس کی سلطنت میں کوئی اس کا حصہ دار ہے، اور ہر چیز کو اس نے پیدا کر کے ایک مناسب اندازہ ٹھہرا دیا۔ان لوگوں نے اللہ کے سوا جو اپنے معبود ٹھہرا رکھے ہیں وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے بلکہ خود پیدا کیے جاتے ہیں، یہ تو اپنی جان کے نقصان و نفع کا بھی اختیار نہیں رکھتے اور نہ موت و حیات کے اور نہ دوبارہ جی اٹھنے کے وہ مالک ہیں۔''

﴿لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ﴾[الشوری۔٤٩]

''آسمانوں اور زمین کی سلطنت اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے

جس کو چاہتا ہے بیٹیاں دیتا ہے اور جسے چاہے بیٹے دیتا ہے۔"

﴿ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ﴾[الانعام۔۱۰۲]

"یہ ہے اللہ تعالیٰ تمہارا رب! اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے پس تم اس کی عبادت کرو اور وہ ہر چیز کا کارساز ہے۔"

﴿اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَاٰتٰكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ﴾[ابراھیم۔ ۳۴،۳۲]

"اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور آسمانوں سے بارش برسا کر اس کے ذریعے سے تمہاری روزی کے لیے پھل نکالے ہیں اور کشتیوں کو تمہارے بس میں کر دیا ہے کہ دریاؤں میں اس کے حکم سے چلیں پھریں۔ اسی نے ندیاں اور نہریں تمہارے اختیار میں کر دی ہیں، اسی نے تمہارے لیے سورج چاند کو مسخر کر دیا ہے کہ برابر ہی چل رہے ہیں، اور رات دن کو بھی تمہارے کام میں لگا رکھا ہے، اسی نے تمہیں منہ مانگی کل چیزوں میں سے دے ہی رکھا ہے اگر تم اللہ کے احسان گننا چاہو تو انہیں پورے گن بھی نہیں سکتے، یقیناً انسان بڑا ہی ناانصاف اور ناشکرا ہے۔"

﴿وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى اَرْبَعٍ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾[النور۔۴۵]

"تمام کے تمام چلنے پھرنے والے جانداروں کو اللہ تعالیٰ ہی نے پانی سے پیدا کیا ہے۔ ان میں سے بعض تو اپنے پیٹ کے بل چلتے ہیں بعض دو پاؤں پر چلتے اور بعض چار پاؤں پر چلتے ہیں، اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔"

﴿وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ﴾[النحل۔۵]

”اسی نے چوپائے پیدا کیے جن میں تمہارے لیے گرمی کے لباس ہیں اور بھی بہت سے فائدے ہیں اور وہ تمہارے کھانے کے کام آتے ہیں۔“

ہم انسانوں کو بھی اللہ ہی نے پیدا کیا ہے

﴿يَاأَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ [البقرة۔ ۲۱]

”اے لوگو! اپنے اس رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا، یہی تمہارا بچاؤ ہے۔“

﴿وَاتَّقُوا الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْأَوَّلِينَ﴾ [الشعراء۔ ۱۸۴]

”اس اللہ کا خوف کھاؤ جس نے خود تمہیں اور پہلی مخلوق کو پیدا کیا ہے۔“

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِنْ حَمَإٍ مَسْنُونٍ وَالْجَانَّ خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَارِ السَّمُومِ﴾ [الحجر۔ ۲۶، ۲۷]

”یقیناً ہم نے انسان کو خشک مٹی سے جو کہ سڑے ہوئے گارے کی تھی پیدا فرمایا ہے اور اس سے پہلے جنات کو ہم نے لو والی آگ سے پیدا کیا۔“

﴿يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى﴾ [الحجرات۔ ۱۳]

”اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک (ہی) مرد و عورت سے پیدا کیا ہے۔“

﴿أَوَلَا يَذْكُرُ الْإِنْسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا﴾ [مریم۔ ۶۷]

”کیا یہ انسان اتنا بھی یاد نہیں رکھتا کہ ہم نے اسے اس سے پہلے پیدا کیا حالانکہ وہ کچھ بھی نہ تھا۔“

﴿أَوَلَمْ يَرَ الْإِنْسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ نُطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُبِينٌ﴾ [یٰس۔ ۷۷]

”کیا انسان کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ ہم نے اسے نطفے سے پیدا کیا ہے؟ پھر یکا یک وہ صریح جھگڑالو بن بیٹھا۔“

﴿قُتِلَ الْإِنْسَانُ مَا أَكْفَرَهُ مِنْ أَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهُ مِنْ نُطْفَةٍ خَلَقَهُ فَقَدَّرَهُ﴾

”اللہ کی مار انسان پر! یہ کیسا ناشکرا ہے، اسے اللہ نے کس چیز سے پیدا کیا؟ (اسے) ایک نطفہ سے (پیدا کیا) پھر اندازہ پر رکھا اس کو۔“ [عبس۔ ۱۸، ۱۹]

﴿يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ الَّذِيْ خَلَقَكَ فَسَوّٰكَ فَعَدَلَكَ فِيْۤ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ﴾[الانفطار۔٦ تا٨]

''اے انسان! تجھے اپنے رب کریم سے کس چیز نے بہکایا؟ جس (رب) نے تجھے پیدا کیا پھر ٹھیک ٹھاک کیا، پھر (درست اور) برابر بنایا۔ جس صورت میں چاہا تجھے جوڑ دیا۔''

﴿قُلْ هُوَ الَّذِيْۤ اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ قُلْ هُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ﴾

''کہہ دیجئے کہ وہی (اللہ) ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے کان آنکھیں اور دل بنائے تم بہت ہی کم شکر گزاری کرتے ہو، کہہ دیجئے کہ وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں پھیلا دیا اور اسی کی طرف تم اکٹھے کیے جاؤ گے۔''[الملك ۔٢٣، ٢٤]

﴿الَّذِيْۤ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ثُمَّ سَوّٰهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ﴾[السجدة ۔٧، ٩]

''جس نے نہایت خوب بنائی جو چیز بھی بنائی اور انسان کی بناوٹ مٹی سے شروع کی، پھر اس کی نسل ایک بے وقعت پانی کے نچوڑ سے چلائی، جسے ٹھیک ٹھاک کر کے اس میں اپنی روح پھونکی، اسی نے تمہارے کان آنکھیں اور دل بنائے (اس پر بھی) تم بہت تھوڑا احسان مانتے ہو۔''

ہمارا رازق اور داتا بھی اللہ ہی ہے

﴿اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ﴾[الذاريات ۔٥٨]

''بے شک اللہ تعالیٰ ہی سب کا روزی رساں، توانائی والا اور زور آور ہے۔''

﴿اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ﴾[الروم۔ ٤٠]

''اللہ ہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا پھر روزی دی پھر مار ڈالے گا پھر زندہ کرے گا۔''

﴿اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴾

’’اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو ٹھہرنے کی جگہ اور آسمان کو چھت بنا دیا اور تمہاری صورتیں بنائیں اور بہت اچھی بنائیں، اور تمہیں عمدہ عمدہ چیزیں کھانے کو عطا فرمائیں۔ یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے، پس بہت ہی برکتوں والا ہے سارے جہان کا پرورش کرنے والا۔‘‘ [المومن۔٦٤]

تمام جانداروں کا رزق اسی اللہ کے ذمہ ہے

﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا﴾ [هود۔٦]

’’زمین پر چلنے پھرنے والے جتنے بھی جاندار ہیں سب کی روزیاں اللہ کے ذمہ ہیں۔‘‘

﴿وَكَأَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَإِيَّاكُمْ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾ [العنكبوت۔٦٠]

’’اور بہت ہی جانور ہیں جو اپنی روزی اٹھائے نہیں پھرتے ان سب کو اور تمہیں بھی اللہ تعالیٰ ہی روزی دیتا ہے، وہ بڑا ہی سننے اور جاننے والا ہے۔‘‘

رزق اللہ دے گا ڈرو نہیں......!

﴿وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ نَّحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ﴾ [الاسراء:٣١]

’’مفلسی کے ڈر سے اپنی اولادوں کو نہ مار ڈالو، ان کو اور تم کو ہم ہی روزی دیتے ہیں۔‘‘

﴿قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ قُلِ اللّٰهُ﴾ [سبا۔٢٤]

’’پوچھیے کہ تمہیں آسمانوں اور زمین سے روزی کون دیتا ہے؟ (خود) جواب دیجیے کہ اللہ تعالیٰ‘‘

﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾

’’اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے چھٹکارے کی راہ نکال دیتا ہے اور اسے ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے جس کا اسے گمان بھی نہ ہو۔‘‘ [الطلاق۔٣،٢]

وہ جسے جتنا چاہے رزق عطا کرے!

﴿اللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَآءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ لَهُ﴾ [العنكبوت:٦٢]

’’اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے فراخ روزی دیتا ہے اور جسے چاہے تنگ۔‘‘

﴿وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِى الرِّزْقِ﴾[النحل ـ ۷۰]
''اللہ تعالیٰ ہی نے تم میں سے ایک کو دوسرے پر روزی میں زیادتی دے رکھی ہے''
﴿نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا﴾الزخرف ـ ۳۲]
''ہم نے ہی ان کی زندگانی دنیا کی روزی ان میں تقسیم کی ہے اور ایک کو دوسرے سے بلند کیا ہے تا کہ ایک دوسرے کو ماتحت کر لے۔''
﴿وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ وَاِنْ مِّنْ شَىْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ﴾[الحجر ـ ۲۰،۲۲]
''اور اسی میں ہم نے تمہاری روزیاں بنادی ہیں اور (ان کی بھی) جنہیں تم روزی دینے والے نہیں ہو اور جتنی بھی چیزیں ہیں ان سب کے خزانے ہمارے پاس ہیں اور ہم ہر چیز کو اس کے مقررہ اندازے سے اتارتے ہیں، اور ہم بھیجتے ہیں بوجھل ہوائیں پھر آسمان سے پانی برسا کر وہ تمہیں پلاتے ہیں اور تم اس کے ذخیرہ کرنے والے نہیں ہو۔''

سارے خزانے اسی کے پاس ہیں

﴿اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا وَّتَخْلُقُوْنَ اِفْكًا اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ [العنکبوت ـ ۱۷]
''تم تو اللہ کے سوا بتوں کی پوجا پاٹ کر رہے ہو اور جھوٹی باتیں دل سے گھڑ لیتے ہو، سنو! جن جن کی تم اللہ کے سوا پوجا پاٹ کر رہے ہو وہ تو تمہاری روزی کے مالک نہیں پس تمہیں چاہیے کہ تم اللہ تعالیٰ ہی سے روزیاں طلب کرو اور اسی کی عبادت کرو اور اسی کی شکر گزاری کرو، اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔''

مدبر و منتظم بھی اللہ تعالیٰ ہے

﴿تَبٰرَكَ الَّذِىْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرُ﴾[الملک ـ ۱]

''بہت بابرکت ہے وہ (اللہ) جس کے ہاتھ میں بادشاہی ہے اور جو ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔''

﴿لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ﴾

''آسمانوں اور زمین کی کنجیاں اسی کی ہیں جس کی چاہے روزی کشادہ کر دے اور (جس کی چاہے) تنگ کر دے۔'' [الشوریٰ۔۱۲]

عالم الغیب بھی اللہ تعالیٰ ہے

﴿وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ﴾ [الانعام۔۵۹]

''اور اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہیں غیب کی کنجیاں (خزانے) ان کو کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ کے اور وہ تمام چیزوں کو جانتا ہے جو کچھ خشکی میں ہیں اور جو کچھ دریاؤں میں ہیں اور کوئی پتا نہیں گرتا مگر وہ اس کو بھی جانتا ہے اور کوئی دانا زمین کے تاریک حصوں میں نہیں اور نہ کوئی خشک اور تر چیز گرتی ہے مگر یہ سب کتاب مبین میں ہیں۔''

﴿قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾ [الاعراف۔۱۸۸]

''آپ فرما دیجئے کہ میں خود اپنی ذات خاص کے لیے کسی نفع کا اختیار نہیں رکھتا اور نہ کسی ضرر کا مگر اتنا ہی کہ جتنا اللہ نے چاہا ہو اور اگر میں غیب کی باتیں جانتا ہوتا تو میں بہت سے منافع حاصل کر لیتا اور کوئی نقصان مجھ کو نہ پہنچتا میں تو محض ڈرانے والا اور بشارت دینے والا ہوں ان لوگوں کو جو ایمان رکھتے ہیں''۔

قادر مطلق بھی اللہ تعالیٰ ہے

﴿وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا﴾

''اللہ کے اختیار میں ہیں آسمانوں کی چیزیں اور زمین کی بھی اور اللہ کافی کارساز

ہے، اگر اسے منظور ہو تو اے لوگو! وہ تم سب کو مٹا دے اور دوسروں کو لے آئے اور اللہ تعالیٰ اس پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔" [النساء۔ ۱۳۲، ۱۳۳]

مختار کل اور مالک الملک (شہنشاہ) بھی اللہ تعالیٰ ہے

﴿قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾

"آپ کہہ دیجئے اے میرے معبود! اے تمام جہان کے مالک! تو جسے چاہے بادشاہی دے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے اور تو جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت دے، تیرے ہاتھ ہی میں سب بھلائیاں ہیں، بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔ تو ہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں لے جاتا ہے، تو ہی بے جان سے جاندار پیدا کرتا ہے اور تو ہی جاندار سے بے جان پیدا کرتا ہے تو ہی ہے کہ جسے چاہتا ہے بے شمار روزی دیتا ہے" [آل عمران۔ ۲۶، ۲۷]

حاکم اعلیٰ بھی اللہ ہے

﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهٗ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ اِنَّهٗ كَانَ عَلِيْمًا قَدِيْرًا﴾ [فاطر۔ ٤٤]

"اور اللہ ایسا نہیں ہے کہ کوئی چیز اسے ہرا دے نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں، وہ بڑے علم والا، بڑی قدرت والا ہے۔"

نفع اور نقصان بھی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے

﴿وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗ اِلَّا هُوَ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾

"اور اگر تم کو اللہ تعالیٰ کوئی تکلیف پہنچائے تو بجز اس کے اور کوئی اس کو دور کرنے والا نہیں ہے اور اگر وہ تم کو کوئی خیر پہنچانا چاہے تو اس کے فضل کو کوئی ہٹانے والا نہیں۔ وہ

اپنا فضل اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے نچھاور کردے اور وہ بڑی مغفرت بڑی رحمت والا ہے۔" [یونس۔۱۰۷]

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب اللہ کے رسول ﷺ پر قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی ﴿وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ﴾ "(اے محمد ﷺ!) آپ اپنے رشتہ داروں کو (اللہ تعالیٰ کے عذاب اور یوم قیامت سے) ڈراؤ"......تو آپؐ نے فرمایا:

اے قریش کے لوگو! اپنے آپ کو بچالو! اللہ کے سامنے میں تمہارے کسی کام نہیں آسکوں گا۔ اے عبد مناف کے بیٹو! اللہ کے سامنے میں تمہارے کسی کام نہیں آسکوں گا۔ اے عباس بن عبدالمطلب! میں اللہ کے سامنے تمہارے کسی کام نہیں آسکوں گا۔ اے رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی صفیہؓ! میں اللہ کے سامنے تمہارے کسی کام نہیں آسکوں گا۔ اے محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہؓ! (اب دنیا میں) میرے مال سے جو چاہو مانگ لو (لیکن قیامت کے روز) اللہ کے سامنے میں تمہارے کسی کام نہ آسکوں گا۔" [بخاری: کتاب التفسیر :باب قوله تعالى: وانذر عشيرتك الاقربين]

زندگی اور موت بھی اللہ کے ہاتھ میں ہے

﴿كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ [البقرة:۲۸]

"تم اللہ کے ساتھ کیسے کفر کرتے ہو؟ حالانکہ تم مردہ تھے اس نے تمہیں زندہ کیا، پھر تمہیں مار ڈالے گا، پھر زندہ کرے گا، پھر اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔"

﴿وَاَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَاَحْيَا﴾ [النجم۔۴۴]

"اور یہ کہ وہی مارتا ہے اور زندہ کرتا ہے۔"

﴿وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْيِيْ وَنُمِيْتُ وَنَحْنُ الْوَارِثُوْنَ﴾ [الحجر۔۲۳]

"ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہم ہی (بالآخر) وارث ہیں۔"

﴿هُوَ الَّذِيْ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ فَاِذَا قَضٰى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾

"وہی ہے جو زندہ کرتا ہے اور مار ڈالتا ہے، پھر جب وہ کسی کام کا کرنا مقرر کرتا ہے تو اسے صرف یہ کہتا ہے کہ 'ہو جا' پس وہ ہو جاتا ہے۔" [المؤمن۔۶۸]

﴿قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ﴾

''آپ کہہ دیجیے اللہ ہی تمہیں زندہ کرتا ہے پھر تمہیں مار ڈالتا ہے پھر وہ تمہیں قیامت کے دن جمع کرے گا جس میں کوئی شک نہیں لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔'' [الجاثية:٢٦]

اللہ تعالیٰ مردوں کو کیسے زندہ کریں گے؟

﴿وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتٰى قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِي قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِينَكَ سَعْيًا وَّاعْلَمْ أَنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ [البقرة ـ ٢٦٠]

''اور جب ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا: اے میرے پروردگار! مجھے دکھا، تو مردوں کو کس طرح زندہ کرے گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، کیا تمہیں ایمان نہیں؟ جواب دیا ایمان تو ہے لیکن میرے دل کی تسکین ہو جائے گی ،فرمایا چار پرندے لو، ان کے ٹکڑے کر ڈالو، پھر ہر پہاڑ پر ان کا ایک ایک ٹکڑا رکھ دو پھر انہیں پکارو ،وہ تمہارے پاس دوڑتے ہوئے آ جائیں گے اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمتوں والا ہے۔''

﴿أَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ وَّهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوشِهَا قَالَ أَنّٰى يُحْيِي هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا فَأَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ إِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ وَانْظُرْ إِلٰى حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ آيَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ إِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوهَا لَحْمًا فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ قَالَ أَعْلَمُ أَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ [البقرة ـ ٢٥٩]

''یا اس شخص کے مانند کہ جس کا گزر اس بستی پر ہوا جو چھت کے بل اوندھی پڑی ہوئی تھی، وہ کہنے لگا اس کی موت کے بعد اللہ تعالیٰ اسے کس طرح زندہ کرے گا؟ تو اللہ تعالیٰ نے سو سال کے لیے اسے مار دیا، پھر اسے اٹھایا، پوچھا کتنی مدت تجھ پر گزری؟ کہنے لگا ایک دن یا دن کا کچھ حصہ ،فرمایا بلکہ تو سو سال تک ایسے رہا ہے، پھر اب تو

اپنے کھانے پینے کو دیکھ کہ بالکل خراب نہیں ہوا اور اپنے گدھے کو بھی دیکھ، ہم تجھے لوگوں کے لیے ایک نشانی بناتے ہیں۔ تو دیکھ کہ ہم ہڈیوں کو کس طرح اٹھاتے ہیں، پھر ان پر گوشت چڑھاتے ہیں۔ جب یہ سب ظاہر ہو چکا تو وہ کہنے لگا میں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔"

صحت اور شفا بھی اسی اللہ کے ہاتھ میں ہے

﴿اَلَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَهُوَ یَهْدِیْنِ وَالَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ وَالَّذِیْ یُمِیْتُنِیْ ثُمَّ یُحْیِیْنِ وَالَّذِیْ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَلِیْ خَطِیْٓئَتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ﴾[الشعرآء:۷۸،۸۲]

"جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور وہی میری رہبری فرماتا ہے اور وہی مجھے مار ڈالے گا پھر زندہ کر دے گا اور جس سے میری امید بندھی ہوئی ہے کہ وہ روز جزا میں میرے گناہوں کو بخش دے گا۔"

اولاد دینا یا نہ دینا بھی اللہ ہی کے اختیار میں ہے

﴿لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ یَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ اِنَاثًا وَّیَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ الذُّكُوْرَ اَوْ یُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا وَیَجْعَلُ مَنْ یَّشَآءُ عَقِیْمًا اِنَّهٗ عَلِیْمٌ قَدِیْرٌ﴾[الشوریٰ۔۴۹،۵۰]

"آسمانوں اور زمین کی سلطنت اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، جس کو چاہتا ہے بیٹیاں دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بیٹے دیتا ہے۔ یا انہیں جمع کر دیتا ہے بیٹا بھی اور بیٹیاں بھی۔ اور جسے چاہتا ہے بانجھ کر دیتا ہے۔ وہ بڑے علم والا اور کامل قدرت والا ہے۔"

قسمت کا مالک بھی صرف اللہ تعالیٰ ہے

﴿وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا﴾(الفرقان:۲)

"اور ہر چیز کو اس نے پیدا کر کے ایک مناسب اندازہ ٹھہرا دیا۔"

﴿وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا﴾(الاحزاب:۳۸)

"اور اللہ تعالیٰ کے کام اندازے پر مقرر کیے ہوئے ہیں۔"

اچھے کام کی توفیق بھی اللہ ہی دینے والا ہے

﴿إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ﴾[هود ـ ٨٨]

"میرا ارادہ تو اپنی استطاعت کی حد تک اصلاح کرنے کا ہی ہے۔ میری توفیق اللہ ہی کی مدد سے ہے۔ اسی پر میرا بھروسہ ہے اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔"

ہدایت دینا بھی صرف اللہ کے اختیار میں ہے

﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ﴾[القصص ـ ٥٦]

"آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں کر سکتے بلکہ اللہ تعالیٰ ہی جسے چاہے ہدایت کرتا ہے۔ ہدایت پانے والوں سے وہی خوب آگاہ ہے۔"

مشرکین مکہ اور موجودہ کلمہ گو مسلمان......!

آئندہ سطور میں مشرکین مکہ کے حوالے سے بعض وہ اعمال ذکر کیے جا رہے ہیں جن کے ارتکاب کی وجہ سے انہیں مشرک کہا گیا۔ اور امر واقعہ یہ ہے کہ کلمہ توحید کا اقرار کرنے والے کئی ایک مسلمان بھی آج انہی جیسے کاموں کا ارتکاب کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ مندرجہ ذیل حقائق کو سنجیدگی سے پڑھیے اور سوچیے کہ کہیں ہم بھی معاذ اللہ ان لوگوں کی صف میں شامل تو نہیں!

مشرکین مکہ بھی اللہ کو خالق، مالک اور رازق تسلیم کرتے تھے

﴿وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ﴾[لقمان ـ ٢٥]

"اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ آسمان اور زمین کا خالق کون ہے؟ تو یہ ضرور جواب دیں گے کہ اللہ تعالیٰ، تو کہہ دیجیے کہ سب تعریفوں کے لائق اللہ ہی ہے۔"

﴿وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ

لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ.... وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَنْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴾ [العنكبوت ـ ٦١،٦٣]

''اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ زمین و آسمان کا خالق اور سورج و چاند کو کام میں لگانے والا کون ہے؟ تو ان کا جواب یہی ہوگا کہ اللہ تعالیٰ، پھر کدھر الٹے جا رہے ہیں...... اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ آسمان سے پانی اتار کر زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کس نے کیا؟ تو یقیناً ان کا جواب یہی ہوگا اللہ تعالیٰ نے، آپ کہہ دیجیے کہ ہر تعریف اللہ ہی کے لیے سزاوار ہے، بلکہ ان میں سے اکثر بے عقل ہیں۔''

﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ قُلْ اَفَرَاَيْتُمْ مَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِيَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖٓ اَوْ اَرَادَنِيْ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴾ [الزمر: ٣٨]

''اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمان و زمین کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو یقیناً وہ یہی جواب دیں گے کہ اللہ نے۔ آپ ان سے کہیے کہ اچھا یہ تو بتاؤ جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو اگر اللہ تعالیٰ مجھے نقصان پہنچانا چاہے تو کیا یہ اس کے نقصان کو ہٹا سکتے ہیں؟ یا اللہ مجھ پر مہربانی کا ارادہ کرے تو کیا یہ اس کی مہربانی کو روک سکتے ہیں؟ آپ کہہ دیں کہ اللہ مجھے کافی ہے، توکل کرنے والے اسی پر توکل کرتے ہیں۔''

﴿قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ قُلْ مَنْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴾ [المؤمنون ـ ٨٣،٨٩]

''پوچھیے تو سہی کہ زمین اور اس کی کل چیزیں کس کی ہیں؟ بتلاؤ اگر جانتے ہو؟ فوراً جواب دیں گے کہ اللہ کی، کہہ دیجیے کہ پھر تم نصیحت کیوں نہیں حاصل

کرتے۔ دریافت کیجئے کہ ساتوں آسمانوں کا اور بہت باعظمت عرش کا رب کون ہے؟ وہ لوگ جواب دیں گے کہ اللہ ہی ہے، کہہ دیجئے کہ پھر تم کیوں نہیں ڈرتے؟ پوچھیے کہ تمام چیزوں کا اختیار کس کے ہاتھ میں ہے؟ جو پناہ دیتا ہے اور جس کے مقابلے میں کوئی پناہ نہیں دیا جاتا، اگر تم جانتے ہو تو بتلادو؟ یہ جواب دیں گے کہ اللہ ہی ہے۔ کہہ دیجئے پھر تم کدھر سے جادو کردیئے جاتے ہو؟ حق یہ ہے کہ ہم نے انہیں حق پہنچادیا ہے اور یہ بے شک جھوٹے ہیں۔''

﴿قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ﴾[یونس۔ ۳۱،۳۲]

''آپ کہہ دیجئے کہ وہ کون ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق پہنچاتا ہے یا وہ کون ہے جو کانوں اور آنکھوں پر پورا اختیار رکھتا ہے اور وہ کون ہے جو زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے اور وہ کون ہے جو تمام کاموں کی تدبیر کرتا ہے؟ ضرور وہ یہی کہیں گے کہ ''اللہ'' تو ان سے کہئے کہ پھر کیوں نہیں ڈرتے! سو یہ ہے اللہ تعالیٰ جو تمہارا حقیقی رب ہے پھر حق کے بعد اور کیا رہ گیا سوائے گمراہی کے، پھر کہاں پھرے جاتے ہو؟''

پھر انہیں کافر مشرک کیوں کہا گیا؟

اللہ تعالیٰ کو خالق و مالک اور رازق و داتا تسلیم کرنے کے باوجود مشرکین مکہ کو کافر و مشرک اس لیے کہا گیا کہ وہ یا تو اسلام کی بعض بنیادی تعلیمات (عقیدہ آخرت، عقیدہ رسالت، ایمان بالقرآن وغیرہ) سے انکار کرتے تھے اور یہ ان کا کفر تھا اور یا وہ اللہ تعالیٰ کی بعض صفات اور حقوق میں دوسروں کو بھی کسی نہ کسی پہلو سے شریک بناتے تھے مثلاً وہ اپنے بنائے ہوئے بتوں کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ انہیں بھی اللہ تعالیٰ نے کائنات میں تصرف کی قوت اور مافوق الاسباب اختیارات عطا کر رکھے ہیں۔ یہ بات کئی ایک

دلائل سے ثابت ہے۔ بغرض اختصار صحیح مسلم کی ایک روایت ذکر کی جاتی ہے:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مشرکین مکہ بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے یہ کہا کرتے تھے: **لبیک لا شریک لک ......الا شریکا هو لک تملکه وماملک**[مسلم: كتاب الحج :باب التلبية(ح١١٨٥)]

"اے اللہ! ہم حاضر ہیں، تیرا کوئی شریک نہیں، البتہ ایک شریک ہے اور وہ (شریک) بھی تیرے لیے (تابع) ہے۔ تو ہی اس کا مالک ہے اور اس کے اختیارات کا بھی تو ہی مالک ہے۔" (یعنی حقیقی مالک تو ہے اور اس کے اختیارات عطائی ہیں)

مشرکین مکہ جن شرکیہ امور کا ارتکاب کرتے تھے، افسوس کہ آج کے بعض کلمہ گو مسلمان بھی جہالت، لاعلمی اور دنیاوی مفادات کے پیش نظر ان کے مرتکب بنے ہوئے ہیں۔

توحید و شرک چونکہ بنیادی واعتقادی مسائل سے ہے اور اسی پر ہر انسان کی نجات کا دارومدار ہے اس لیے ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ مشرکین مکہ کے ان دیگر اعمال کو بھی قرآن مجید کی روشنی میں واضح کر دیا جائے جنہیں اللہ تعالیٰ نے 'شرک' قرار دیا ہے۔ اور اس کے باوجود اگر کوئی شخص کلمہ توحید کا زبان سے اقرار کرنے کے بعد مشرکین مکہ کے انہی شرکیہ اعمال کا مرتکب ٹھہرتا ہے تو اسے خود ہی اپنے بارے میں فیصلہ کر لینا چاہیے کہ اس کے کلمہ توحید کا اسے کوئی فائدہ ہوگا یا نہیں؟!

غیر اللہ کی عبادت (تعظیم و محبت اور خوف کی وجہ سے)

مشرکین مکہ کے بارے میں ہم بتا چکے ہیں کہ وہ فرشتوں، جنوں اور بعض نیک لوگوں مثلاً نبیوں اور ولیوں وغیرہ کی عبادت کیا کرتے تھے، فرشتوں اور نیک لوگوں کی عبادت تو ان سے محبت کی وجہ سے کی جاتی یا اس لیے کی جاتی کہ یہ اللہ سے ہماری سفارش کر کے ہمیں بچا لیں گے۔ مشرکین مکہ کا یہ تصور انہی کی زبانی قرآن مجید میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

﴿وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هَٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِندَ اللَّهِ قُلْ أَتُنَبِّئُونَ اللَّهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾[یونس ـ١٨]

''اور یہ لوگ اللہ (واحد کو) چھوڑ کر ان کی عبادت کرتے ہیں جو نہ ان کو ضرر پہنچا سکیں اور نہ ان کو نفع پہنچا سکیں اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں۔آپ کہہ دیجیے کہ کیا تم اللہ کو ایسی چیز کی خبر دیتے ہو جو اللہ تعالیٰ کو معلوم نہیں، نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں! وہ پاک اور برتر ہے ان لوگوں کے شرک سے۔''

اس آیت میں یہ نہیں کہا گیا کہ مشرکین مکہ اپنے بنائے ہوئے بتوں کو مخلوق کا رب اور کائنات کا خالق و مالک سمجھتے تھے بلکہ یہ بتایا گیا ہے کہ وہ انہیں اللہ تعالیٰ تک رسائی اور تقرب کا ذریعہ (وسیلہ) اور اپنا سفارشی سمجھتے تھے۔اور وہ ایسا کیوں سمجھتے تھے؟ اس کی وجہ یا تو ان کا یہ عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کائنات میں تصرف کے کچھ اختیارات دے رکھے ہیں اور یا پھر ان کا دوسرا یہ عقیدہ تھا کہ ان کے بغیر ہماری دعائیں اور درخواستیں اللہ کی بارگاہ میں قبول نہیں ہو سکتیں۔ جب کہ جنات کی عبادت ان کے خوف کی وجہ سے کی جاتی تھی کیونکہ مشرکین مکہ جنات سے ڈرتے تھے اور انہیں راضی کرنے کے لیے ان کی پناہ مانگتے، ان کے لیے قربانی دیتے اور اسی طرح کے بعض اور ایسے اعمال بجالاتے جو عبادت میں شامل ہیں۔اس کی تفصیل کتاب کے مقدمہ میں گزر چکی ہے۔

مشرکین صرف بتوں کی عبادت نہیں کرتے تھے......!

مذکورہ بالا آیات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مشرکین مکہ صرف بتوں کی عبادت نہیں کرتے تھے بلکہ نبیوں، ولیوں، فرشتوں، جنوں وغیرہ جیسی ذوی روح ہستیوں کی بھی وہ عبادت کرتے تھے۔ بلکہ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ جن بتوں کی وہ عبادت کرتے بھی تھے تو وہ بھی محض اس لیے نہیں کرتے تھے کہ یہ قیمتی پتھر اور نفیس لکڑی کے بت ہیں بلکہ اس لیے کرتے تھے کہ یہ عظیم لوگوں کی شبیہیں ہیں اور ان کے آگے رکوع وسجدہ یا ان کے لیے نذر و نیاز دینے کا مقصد بھی یہ نہیں ہوتا تھا کہ ہم پتھروں اور بے جان چیزوں کے لیے یہ سب کچھ کر رہے ہیں بلکہ ان اعمال کو اس نیت سے بجالایا جاتا تھا کہ جن عظیم لوگوں کے یہ بت بنائے گئے ہیں ان کی روحیں ہم سے خوش ہو جائیں گی اور وہ روحیں ہماری دنیوی واخروی مشکلات کو آسان کر دیں گی مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں خبر دی کہ جن لوگوں کو تم پکارتے ہو وہ تمہاری پکار سنتے ہیں نہ جواب دے سکتے ہیں اور نہ تمہارے اعمال سے باخبر ہیں بلکہ

قیامت کے روز وہ تمہارے ان کاموں سے برأت و بیزاری کا اظہار کریں گے۔ جیسا کہ قرآن مجید ہے:

﴿وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ فَيَقُولُ أَأَنتُمْ أَضْلَلْتُمْ عِبَادِي هَٰؤُلَاءِ أَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيلَ قَالُوا سُبْحَانَكَ مَا كَانَ يَنبَغِي لَنَا أَن نَّتَّخِذَ مِن دُونِكَ مِنْ أَوْلِيَاءَ وَلَٰكِن مَّتَّعْتَهُمْ وَآبَاءَهُمْ حَتَّىٰ نَسُوا الذِّكْرَ وَكَانُوا قَوْمًا بُورًا فَقَدْ كَذَّبُوكُم بِمَا تَقُولُونَ فَمَا تَسْتَطِيعُونَ صَرْفًا وَلَا نَصْرًا﴾ [الفرقان۔ ۱۷،۱۹]

''اور جس دن اللہ تعالیٰ انہیں، اور سوائے اللہ کے جنہیں یہ پوجتے رہے، انہیں جمع کرکے پوچھے گا کہ کیا میرے ان بندوں کو تم نے گمراہ کیا یا یہ خود ہی راہ سے گم ہو گئے؟ تو وہ جواب دیں گے کہ تو پاک ذات ہے خود ہمیں یہ زیب نہ تھا کہ تیرے سوا اوروں کو اپنا کارساز بناتے۔ بات یہ ہے کہ تو نے انہیں اور ان کے باپ دادوں کو آسودگیاں عطا فرمائیں یہاں تک کہ وہ نصیحت بھلا بیٹھے، یہ لوگ تھے ہی ہلاک ہونے والے۔ پس انہوں نے تو تمہیں تمہاری باتوں میں جھٹلایا، اب نہ تو تم میں عذابوں کے پھیرنے کی طاقت ہے، نہ مدد کرنے کی''۔

مشرکین کا عقیدہ تھا کہ اللہ نے بعض نیک بندوں کو مافوق الاسباب اختیارات دے رکھے ہیں......!

مشرکین کا یہ عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کو مافوق الاسباب اختیارات سے نواز رکھا ہے۔ نیک لوگ چاہیں تو گنہگاروں کو نجات، مظلوموں کو مدد محتاجوں کو نفع اور خیر پہنچا سکتے ہیں اور اگر وہ چاہیں تو نافرمانوں کو عذاب اور نقصان سے بھی دوچار کرسکتے ہیں۔ مشرکین مکہ یہ عقیدہ بھی رکھتے تھے کہ نیک لوگ خواہ زندہ ہوں یا فوت ہو جائیں وہ ہر لحہ اور ہر جگہ جس کی چاہیں مدد کے لیے آ سکتے ہیں اور اگر انہیں جنگلوں، صحراؤں، ریگستانوں، دریاؤں اور مشکلات و مصائب میں پکارا جائے تو وہ پکارنے والوں کی پکار کو سنتے اور ان کی مدد کرنے کی پوری طاقت و اختیار رکھتے ہیں۔

مشرکین مکہ یہ عقیدہ بھی رکھتے تھے کہ یہ سارے اختیارات کا مالک تو اللہ ہی ہے مگر اللہ کے ان نیک بندوں کو پکارنے کا خود اللہ نے حکم دیا ہے یہی وجہ ہے کہ وہ اللہ کے علاوہ

باقی سب کو چھوٹا سمجھتے تھے اور زیادہ سخت مشکلات میں ان چھوٹے معبودوں اور نیک بندوں کو پکارنے کی بجائے سب سے بڑے معبود یعنی اللہ تعالیٰ کو پکارتے تھے۔

قرآن مجید نے مشرکین کے ان تمام عقائد ونظریات کی صاف صاف تردید فرمائی اور یہ واضح کردیا کہ مافوق الاسباب اختیارات سارے کے سارے صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ نیک لوگ اپنی زندگی میں بھی مافوق الاسباب اختیار نہیں رکھتے تو مرنے کے بعد انہیں یہ اختیار کیسے حاصل ہوسکتے ہیں؟ بلکہ فرمایا کہ یہ نیک لوگ تو خود مشکلات کا شکار ہوتے رہے اور برے وقت میں اللہ تعالیٰ کو پکارا کرتے تھے اور لوگوں کو بھی یہی کہا کرتے تھے کہ تمام اختیارات اللہ کے پاس ہیں صرف اسی کو پکارو، اسی سے دعا وفریاد کرو، اسی کے لیے نذر ونیاز دو اور اسی کے لیے رکوع وسجدہ کرو۔ آیئے! ان سب باتوں کا مطالعہ قرآن مجید کی روشنی میں کرتے ہیں۔

مشرکین مکہ کے عقائد کی تردید

﴿قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ قُلِ اللّٰهُ قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا قُلْ هَلْ يَسْتَوِی الْاَعْمٰی وَالْبَصِيْرُ اَمْ هَلْ تَسْتَوِی الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾ [الرعد:١٦]

”ان سے پوچھو کہ آسمانوں اور زمین کا رب کون ہے؟ کہو اللہ۔ پھر ان سے کہو کہ جب حقیقت یہ ہے تو کیا تم نے اس کے سوا ایسے لوگوں کو کارساز بنالیا ہے جو خود اپنے لیے نفع ونقصان کا اختیار نہیں رکھتے؟ کہو کیا اندھا اور دیکھنے والا برابر ہوسکتے ہیں؟ کیا تاریکیاں اور روشنی یکساں ہوتی ہے؟ اور اگر ایسا نہیں تو کیا ان کے مقرر کردہ شریکوں نے بھی اللہ تعالیٰ کی طرح کچھ پیدا کیا ہے کہ اس کی وجہ سے ان پر تخلیق کا معاملہ مشتبہ ہوگیا؟ کہو ہر چیز کا خالق صرف اللہ ہے اور وہ یکتا ہے، سب پر غالب ہے۔“

﴿قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾ [المائدة۔٧٦]

''ان سے کہو کیا تم اللہ کے علاوہ ایسے کی عبادت کرتے ہو جو تمہارے لیے نہ نقصان کا اختیار رکھتا ہے اور نہ ہی نفع کا۔ حالانکہ یہ سب کچھ سننے والا اور سب کچھ جاننے والا تو اللہ ہی ہے۔''

﴿وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ﴾

''وہ لوگ جنہیں تم اللہ کے علاوہ پکارتے ہو وہ تمہاری مدد کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اور نہ ہی اپنی مدد آپ کر سکتے ہیں۔'' [الاعراف۔۱۹۷]

﴿اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ﴾ [الاعراف۔۱۹۱،۱۹۲]

''کیا ایسے لوگوں کو اللہ کا شریک ٹھہراتے ہو جو کسی چیز کو پیدا نہیں کرتے بلکہ خود پیدا کیے جاتے ہیں جو نہ ان کی مدد کر سکتے ہیں اور نہ اپنی مدد پر قادر ہیں۔''

﴿لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ﴾ [الرعد۔۱۴]

''اسی کو پکارنا برحق ہے اور وہ لوگ جو اس کے علاوہ کو پکارتے ہیں وہ ان کی دعاؤں کا کوئی جواب نہیں دے سکتے، انہیں پکارنا تو ایسا ہے جیسے کوئی شخص پانی کی طرف ہاتھ پھیلا کر اس سے درخواست کرے کہ تو میرے منہ تک پہنچ جا، حالانکہ پانی اس تک پہنچنے والا نہیں۔ بس اسی طرح کافروں کی دعائیں بھی کچھ نہیں ہیں۔''

﴿وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ﴾ [النحل۔۲۰،۲۱]

''اور وہ دوسری ہستیاں جنہیں لوگ اللہ کے علاوہ پکارتے ہیں وہ کسی چیز کی بھی خالق نہیں بلکہ خود مخلوق ہیں، مردہ ہیں نہ کہ زندہ اور ان کو کچھ معلوم نہیں ہے کہ انہیں کب (دوبارہ زندہ کرکے) اٹھایا جائے گا۔''

﴿قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا﴾ [الاسراء۔۵۶]

''ان سے کہو پکاروان لوگوں کو جنہیں تم اللہ کے علاوہ گمان کرتے ہو، وہ کسی تکلیف کو تم سے نہ ہٹا سکتے ہیں اور نہ بدل سکتے ہیں۔''

﴿وَاتَّخَذُوا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا﴾[الفرقان ۳]

''اور لوگوں نے اللہ کے علاوہ ایسے معبود بنا لیے جو کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے بلکہ وہ خود پیدا کیے جاتے ہیں اور جو خود اپنے لیے بھی کسی نفع ونقصان کا اختیار نہیں رکھتے، جو نہ مار سکتے ہیں اور نہ زندہ کر سکتے ہیں، نہ مرے ہوئے کو پھر اٹھا سکتے ہیں۔''

﴿قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ﴾[سبا۔۲۲]

''ان سے کہو پکارو اپنے ان معبودوں کو جنہیں تم اللہ کے علاوہ اپنا معبود سمجھے بیٹھے ہو! وہ نہ آسمانوں میں سے کسی ذرہ برابر چیز کے مالک ہیں نہ زمین میں۔ وہ آسمانوں اور زمین کی ملکیت میں شریک بھی نہیں اور ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار بھی نہیں ہے۔''

﴿وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ﴾[النحل۔۷۳]

''اور وہ اللہ کے علاوہ ان کی عبادت کرتے ہیں جو ان کے لیے آسمانوں وزمین میں سے کچھ بھی رزق نہیں دے سکتے اور نہ ہی انہیں اس کام کی استطاعت ہے۔''

﴿وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ﴾[فاطر۔۱۳،۱۴]

''اور وہ ہستیاں جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، وہ ایک پرکاہ کے مالک بھی نہیں۔ اگر تم انہیں پکارو تو وہ تمہاری دعائیں نہیں سن سکتے اور اگر سن لیں تو ان کا تمہیں کوئی جواب نہیں دے سکتے اور قیامت کے روز وہ تمہارے شرک کا انکار کر دیں گے۔ حقیقت حال کی ایسی صحیح خبر تمہیں ایک خبر دینے والے (اللہ) کے سوا کوئی نہیں دے سکتا۔''

﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ

لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ اِيْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَا اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ﴾[الاحقاف۔ ٤ تا ٦]

''اے نبی (ﷺ) ان سے کہو! کبھی تم نے آنکھ کھول کر دیکھا بھی ہے کہ وہ ہستیاں ہیں کیا، جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو؟ ذرا مجھے دکھاؤ تو سہی کہ زمین میں انہوں نے کیا پیدا کر رکھا ہے؟ یا آسمانوں کی تخلیق یا تدبیر میں ان کا کوئی حصہ ہے؟ اس سے پہلے آئی ہوئی کتاب یا علم کا بقیہ (ان عقائد کے ثبوت میں) تمہارے پاس ہو تو وہی لے آؤ، اگر تم سچے ہو! آخر اس آدمی سے زیادہ گمراہ کون ہوگا جو اللہ کے علاوہ ایسی ہستیوں کو پکارے جو قیامت تک اسے جواب نہ دے سکتی ہوں بلکہ وہ ان کی دعاؤں سے بے خبر ہیں اور جب تمام انسان جمع کیے جائیں گے اس وقت وہ ہستیاں پکارنے والوں کی دشمن بن جائیں گی اور ان کی عبادت کا انکار کر دیں گی۔''

مشرکین مکہ سخت تنگی میں صرف اللہ کو پکارتے تھے!

یہ عجیب بات ہے کہ مشرکین مکہ عام حالات میں تو اپنے بتوں وغیرہ کو اپنی مدد کے لیے پکارتے مگر جب کسی شدید مشکل میں گرفتار ہوتے تو اس وقت سارے بتوں اور معبودوں کو چھوڑ کر صرف ایک اللہ کو پکارنا شروع کر دیتے۔ اور اس سوچ کے ساتھ اللہ کو پکارتے کہ اب اللہ کے علاوہ اور کوئی اس مشکل سے بچا نہیں سکتا! چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

﴿قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ، بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ﴾[الانعام۔ ٤٠، ٤١]

''ان سے کہو ذرا غور کر کے بتاؤ اگر کبھی تم پر اللہ کی طرف سے کوئی مصیبت آ جاتی ہے یا آخری گھڑی آ پہنچتی ہے تو کیا اس وقت تم اللہ کے سوا کسی اور کو پکارتے ہو؟ بولو اگر تم سچے ہو! اس وقت تم اللہ ہی کو پکارتے ہو پھر اگر وہ چاہتا ہے تو اس مصیبت کو تم سے ٹال دیتا ہے ایسے موقعوں پر تم اپنے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کو بھول جاتے ہو۔''

﴿قُلْ مَنْ يُنَجِّيكُمْ مِّنْ ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُونَهُ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً لَئِنْ أَنْجَانَا مِنْ هَٰذِهِ لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ قُلِ اللَّهُ يُنَجِّيكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ أَنْتُمْ تُشْرِكُونَ﴾[الانعام۔٦٣،٦٤]

''اے نبی (ﷺ) ان سے پوچھو صحرا، اور سمندر کی تاریکیوں میں کون تمہیں خطرات سے نجات دیتا ہے؟ کون ہے جس سے تم (مصیبت و مشکل میں) گڑگڑا کر اور چپکے چپکے دعائیں مانگتے ہو؟ کس سے کہتے ہو کہ اگر اس بلا سے اس نے ہم کو بچالیا تو ہم ضرور شکر گزار ہوں گے؟ کہو اللہ تعالیٰ ہی تمہیں اس سے اور ہر تکلیف سے نجات دیتا ہے پھر تم دوسروں کو اس کا شریک بناتے ہو!''

﴿وَإِذَا أَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ إِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِي آيَاتِنَا قُلِ اللَّهُ أَسْرَعُ مَكْرًا إِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُونَ مَا تَمْكُرُونَ هُوَ الَّذِي يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ حَتَّىٰ إِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيحٍ طَيِّبَةٍ وَّفَرِحُوا بِهَا جَآءَتْهَا رِيحٌ عَاصِفٌ وَّجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوا أَنَّهُمْ أُحِيطَ بِهِمْ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ لَئِنْ أَنْجَيْتَنَا مِنْ هَٰذِهِ لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ فَلَمَّا أَنْجَاهُمْ إِذَا هُمْ يَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ﴾

''لوگوں کا حال یہ ہے کہ مصیبت کے بعد جب ہم ان کو رحمت کا مزا چکھاتے ہیں تو فوراً ہی وہ ہماری نشانیوں کے معاملہ میں چالبازیاں شروع کر دیتے ہیں۔ ان سے کہو اللہ اپنی تدبیر میں تم سے زیادہ تیز ہے، اس کے فرشتے تمہاری سب مکاریوں کو قلم بند کر لیتے ہیں۔ وہ اللہ ہی ہے جو تم کو خشکی اور تری میں چلاتا ہے چنانچہ جب تم کشتیوں میں سوار ہو کر بادِ موافق پر فرحاں و شاداں سفر کر رہے ہوتے ہو اور پھر یکا یک بادِ مخالف کا زور ہوتا ہے اور ہر طرف سے موجوں کے تھپیڑے لگتے ہیں اور مسافر سمجھ لیتے ہیں کہ طوفان میں گھر گئے ہیں اس وقت سب اپنے دین کو خالص اللہ ہی کے لیے کر کے اس سے دعائیں مانگتے ہیں کہ اگر تو نے ہمیں اس طوفان سے نجات دی تو ہم شکر گزار بندے بن جائیں گے مگر جب اللہ نجات دیتا ہے تو پھر وہی حق سے منحرف ہو کر بغاوت کرنے لگتے ہیں۔'' [یونس۔ ٢١،٢٣]

﴿فَاِذَا رَكِبُوْا فِی الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ فَلَمَّا نَجّٰهُمْ اِلَی الْبَرِّ اِذَا هُمْ یُشْرِكُوْنَ﴾ [العنکبوت۔ ٦٥]

''جب یہ لوگ کشتی پر سوار ہوتے ہیں تو اللہ کے لیے عبادت کو خالص کر کے اسے پکارتے ہیں پھر جب وہ انہیں بچا کر خشکی پر لے آتا ہے تو یکایک یہ شرک کرنے لگتے ہیں۔''

ابو جہل کے بیٹے عکرمہ کا واقعہ

جب مکہ فتح ہوا تو اللہ کے رسول ﷺ نے کفار مکہ کی عام معافی کا اعلان فرما دیا مگر چند ایک خطرناک مجرموں کے بارے میں آپ ؐ نے ارشاد فرمایا کہ'' یہ جہاں کہیں بھی نظر آئیں انہیں قتل کر دیا جائے خواہ یہ بیت اللہ کے غلاف ہی میں کیوں نہ لپٹے ہوئے ملیں'' انہی میں سے ایک ابو جہل کا بیٹا عکرمہ بھی تھا۔ عکرمہ نے اپنی جان بچانے کے لیے حبشہ کا رخ کیا اور سمندر پار کرنے کے لیے ایک کشتی پر سوار ہو گیا۔ اتفاق سے سمندر میں طوفان آ گیا اور قریب تھا کہ کشتی ڈوب جاتی، چنانچہ تمام کشتی والوں نے ایک دوسرے سے کہا:

﴿أَخْلِصُوْا فَاِنَّ اٰلِهَتَكُمْ لَا تُغْنِی عَنْكُمْ هٰهُنَا شَیْئًا﴾

''صرف ایک اللہ کو اب نجات کے لیے پکارو کیونکہ تمہارے دوسرے معبود یہاں کچھ کام نہیں دے سکتے'' یہ سن کر عکرمہ نے کہا:

((وَاللّٰهِ لَئِنْ لَّمْ یُنْجِنِیْ مِنَ الْبَحْرِ اِلَّا الْاِخْلَاصُ لَا یُنْجِیْنِیْ فِی الْبَرِّ غَیْرُهُ اَللّٰهُمَّ اِنَّ لَكَ عَلَیَّ عَهْدًا اِنْ اَنْتَ عَافَیْتَنِیْ مِمَّا اَنَا فِیْهِ اَنْ آتِیَ مُحَمَّدًا حَتّٰی اَضَعَ یَدِیْ فِیْ یَدِهٖ فَلَاَجِدَنَّهُ عَفُوًّا كَرِیْمًا فَجَاءَ فَاَسْلَمَ))

''اللہ کی قسم! اگر اس سمندر میں صرف ایک اللہ کو پکارنے سے نجات مل سکتی ہے تو پھر خشکی پر بھی ایک اللہ کے علاوہ اور کوئی نجات نہیں دے سکتا۔ یا اللہ! میں تجھ سے وعدہ کرتا ہوں اگر تو نے مجھے اس طوفان سے نجات دے دی تو میں محمد ﷺ کے پاس جا کر اسلام قبول کر لوں گا اور مجھے امید ہے کہ محمد ﷺ ضرور عفو و درگزر فرمائیں گے۔ (راوی کہتا ہے) چنانچہ پھر عکرمہ اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آئے اور مسلمان ہو گئے۔ [نسائی کتاب المحاربة: باب الحکم فی المرتد (٤٠٧٢) نیز دیکھئے تفسیر ابن کثیر: بذیل سورة العنکبوت آیت (٦٥)]

دوسری فصل

دوسرا تعلق......عابد اور معبود کا!

اللہ اور انسان کا دوسرا باہمی تعلق عبد اور معبود کا ہے یعنی انسان عبد (بندہ، غلام) ہے اور اللہ اس کے مالک (معبود) ہیں۔ہم نے عبد اور معبود کی بجائے عابد اور معبود اس لیے لکھا ہے کہ انسان عبد (غلام) ہونے کے بعد اس بات کا ذمہ دار ہے کہ وہ اللہ کی غلامی (عبادت) کرے اور غلامی کرنا ہی اس کی تخلیق کا بنیادی مقصد ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ جو انسان کے خالق و مالک اور رازق و داتا ہیں، وہی یہ حق رکھتے ہیں کہ تمام انسان اس کی عبادت کریں، اسی کا حکم مانیں، اسی کے آگے سر جھکائیں، اسی سے دعا و فریاد کریں، اسی سے مدد طلب کریں، اسی کے لیے نذر و نیاز دیں، جس طرح غلام کا کام اپنے آقا کی اطاعت ہے اسی طرح انسان کا کام اپنے خالق و مالک کی عبادت ہے کیونکہ انسان کو پیدا ہی اس لیے کیا گیا ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک کی عبادت کرے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونَ﴾[الذٰریات۔٥٦]

"میں نے جنوں اور انسانوں کو محض اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف میری عبادت کریں"

اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو چونکہ اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے اس لیے قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ اَلَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾

"اے لوگو! اپنے اس رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا، یہی تمہارا بچاؤ ہے۔اور جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی اتار کر اس سے پھل پیدا کر کے تمہیں روزی دی، خبردار! باوجود جاننے کے اللہ کے شریک مقرر نہ کرو۔"[البقرة:٢١، ٢٢]

یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان، جنات اور فرشتے تینوں طرح کی مخلوق کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے فرق صرف یہ ہے کہ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ نے حکم عدولی کا اختیار نہیں دیا اس لیے وہ ہر آن اللہ کی عبادت واطاعت میں مصروف رہتے ہیں اور کسی لحہ بھی اللہ کی نافرمانی وحکم عدولی کا مرتکب نہیں ہوتے ۔[اس کی تفصیلات کے لیے ہماری کتاب انسان اور فرشتے کا مطالعہ مفید رہے گا] جبکہ جنات اور انسان کو اللہ تعالیٰ نے دنیاوی زندگی میں اس حد تک اختیار دیا ہے کہ وہ چاہیں تو نیکی وبھلائی کی راہ اختیار کرلیں اور چاہیں تو بدی اور گناہ کا راستہ چن لیں ۔مگر اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اس بات سے بھی انہیں متنبہ کردیا ہے کہ اگر وہ نیکی کی راہ اختیار کریں گے تو روز محشر انہیں اس کا اچھا صلہ یعنی جنت دی جائے گی اور اگر وہ بدی کی راہ اختیار کریں گے تو اس کی بری جزا کے طور پر انہیں جہنم کے عذاب میں ڈال دیا جائے گا۔

عبادت کیا ہے؟

یہ بات تو قرآن مجید کی روشنی میں واضح ہوگئی کہ انسان کی تخلیق کا اصل مقصد اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے اور اگر کوئی شخص انسان کا مقصد تخلیق عبادت خداوندی کے سوا کچھ اور بیان کرتا ہے تو اس کی بات بلاشک وشبہہ قرآن مجید کی صریح تعلیمات کے خلاف ٹھہرے گی۔ باقی رہی یہ بات کہ 'عبادت' کیا ہے تو اس کی تفصیلات ہم آئندہ سطور میں بیان کرتے ہیں:

عبادت...... عربی زبان کا لفظ ہے جس کی اصل عبد (ع۔ب۔د) ہے۔عبادت کا معنی ہے انتہا درجہ کی عاجزی، انکساری، تابعداری وفرمانبرداری اور غلامی، جبکہ عبد کا معنی ہے بندہ اور غلام۔بندہ چونکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے اس لیے اسے عابد اور اللہ کو معبود کہا جاتا ہے۔اسی طرح ایک لفظ عبودیت ہے،اس کا معنی ومفہوم بھی قریب قریب وہی ہے جو لفظِ عبادت کا ہے۔امام راغب اصفہانی اپنی شہرہ آفاق کتاب مفردات القرآن میں رقم طراز ہیں کہ

"العبودية کے معنی ہیں کسی کے سامنے ذلت اور انکساری ظاہر کرنا مگر العبادة کا لفظ انتہائی درجہ کی ذلت اور انکساری ظاہر کرنے پر بولا جاتا ہے،اس سے ثابت ہوا کہ معنوی اعتبار سے العبادة کا لفظ العبودية سے زیادہ بلیغ ہے لہذا عبادت کی مستحق

بھی وہی ذات ہوسکتی ہے جو بے حد صاحب افضال وانعام ہواور ایسی ذات صرف ذات الٰہی ہے اسی لیے فرمایا: ﴿لَا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّاۤ اِیَّاہُ﴾ (۱۷۔۲۳) ''کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔'' ["مفردات القرآن" مترجم ج۲، ص ٦٦٢،٦٦٣]

اللہ تعالیٰ کی عبادت کا معنی یہ ہے کہ بندہ (عبد/انسان) اللہ تعالیٰ ہی کو اپنا حقیقی آقا و مالک تسلیم کرتے ہوئے اس کی اس طرح غلامی وفرمانبرداری کرے جس طرح کہ اس کی غلامی وفرمانبرداری کرنے کا حق ہے۔ یہ حق کیسے ادا کیا جاسکتا ہے یا اس حق کی ادائیگی کے کیا لوازمات ہوسکتے ہیں اس کے لیے عہد نبوی کے عرب معاشرہ کے آقا وغلام کے تعلق کو سامنے لایا جائے تو اس بات کو بخوبی سمجھا جاسکتا ہے۔ اس دور میں غلام یہ سمجھا کرتا تھا کہ میرا آقا چونکہ میری زندگی، موت، رزق، رہائش اور دیگر وسائل وضروریات کا مالک ہے، چاہے تو مجھے اچھے طریقے سے رکھے اور چاہے تو ظلم کرے یا بیچ ڈالے، اس لیے مجھے اپنے آقا ہی کو خوش رکھنا ہے، اسی کی فرمانبرداری کرنا ہے، جب تک اس کے پاس میری قسمت ہے تب تک اسی کا وفادار رہنا ہے، ہر آن اسی کی خدمت بجالانا ہے اور اس کی مرضی ومنشا کے خلاف کوئی اقدام نہیں کرنا، حد درجہ اس کا ادب واحترام کرنا ہے اور اس کی تعظیم وتقدیس کے منافی نہ کوئی قدم اٹھانا ہے نہ زبان سے کوئی ایسی بات کہنی ہے جو اس کے شایان شان نہیں اور نہ ہی کوئی ایسی بات برداشت کرنا ہے جو میرے آقا کی عظمت کو مجروح کرے۔

اس پس منظر میں جب ہم اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ان آیات کا مطالعہ کرتے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے عبادت کا حکم دیا ہے تو اس سے عبادت وبندگی کا یہی مفہوم سامنے آتا ہے کہ اپنے آپ کو اللہ ہی کے سپرد کیا جائے، اسی کا حکم واجب الاتباع سمجھا جائے اور ہر حکم پر اس کے حکم کو ترجیح دی جائے۔ نہ اس کی حکم عدولی کی جائے اور نہ اس کی نافرمانی کو برداشت کیا جائے۔ اگر اس کا حکم ہو کہ فلاں اوقات میں میرے لیے نماز (رکوع وسجود) ادا کرو تو نماز ادا کی جائے۔ اگر اس کا حکم ہو کہ فلاں ایام میں میرے لیے روزے رکھو تو ان ایام میں روزے رکھے جائیں۔ اگر اس کا حکم ہو کہ فلاح حالات میں میرے دشمنوں کے خلاف جہاد کرو تو جہاد کیا جائے۔ اگر اس کا حکم ہو کہ سچ بولو جھوٹ نہ

بولو، انصاف کرو بے انصافی نہ کرو، پورا تولو کمی نہ کرو، عدل کرو ظلم نہ کرو، نیکی کرو بدی نہ کرو......تو اس کا حکم سمجھتے ہوئے ایسا ہی کیا جائے۔اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کے امر و حکم، اس کے ادب و احترام اور اس کے مقام و مرتبہ کو دل کی گہرائیوں سے تسلیم کیا جائے یہی اس کی عبادت ہے۔گویا عبادت صرف چند ظاہری اعمال ہی کا نام نہیں اور نہ ہی عبادت کا یہ مطلب ہے کہ دن کے بعض لمحے، زندگی کے بعض گوشے اور معاملات کے بعض حصے اللہ کے حکم کے پابند یا عادی بنا لیے جائیں بلکہ عبادت کا دائرہ پوری زندگی کو محیط ہے اور انسانی زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں جسے اس سے مستثنیٰ قرار دے دیا گیا ہو۔

ہمارا چلنا پھرنا، ہمارا کھانا پینا، ہمارا سونا جاگنا، ہمارا گفتگو کرنا، ہمارا تجارت کرنا اور روزی کمانا، لوگوں سے ملنا جلنا، محبت کرنا یا نفرت رکھنا یہ سب کچھ اللہ کی عبادت ہو سکتا ہے بشرطیکہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ احکام کی روشنی میں انہیں بجالایا جائے اور یہ سب کچھ اللہ کی بغاوت و سرکشی کے دفتر میں لکھا جا سکتا ہے جبکہ انہیں اس کے حکم سے بے پروا ہو کر کیا جائے۔

انسان کی زندگی کا اصل مقصد تو یہی ہے کہ وہ اپنے آپ کو اللہ کے حکم کا پابند یعنی اللہ ہی کو اپنا معبود سمجھتے ہوئے اس کا عابد (عبادت گزار) بن جائے اور اس کی عبادت و اطاعت سے کسی لحہ بھی غافل نہ رہے۔جو انسان اس راہ میں کامیاب ہو جاتا ہے اور خواہش نفس، مال و دولت، جھوٹی انانیت، ریا کاری و شہرت، قوم و برادری کی محبت وغیرہ جیسی رکاوٹوں کو عبور کر لیتا ہے وہی شخص فی الحقیقت مسلمان ہے ورنہ کسی گورے یا کالے کا زبان سے کلمہ پڑھ لینا اور اسلامی نام رکھ لینا قطعاً اس بات کی دلیل نہیں کہ اس نے اپنا مقصد تخلیق پا لیا ہے اور اب وہ قیامت کے روز جنت کا مستحق بن کر اٹھے گا!

عبادت کیسے کی جائے؟

یہ دو باتیں تو واضح ہو چکیں کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے اور عبادت اللہ کی کامل اطاعت و فرمانبرداری کا نام ہے، اب ہم یہ واضح کریں گے کہ اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری (عبادت) کیسے کی جائے کہ اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اپنے احکام و فرامین سے مطلع کرنے کے لیے انسانوں ہی میں سے کچھ پاکباز ہستیوں کا انتخاب کیا جنہیں نبی اور رسول کہا جاتا ہے اور ان کے پاس

کبھی براہ راست اور کبھی بالواسطہ، کبھی فرشتے کے ذریعے اور کبھی بغیر فرشتے کے اپنا پیغام بھیجا جسے 'وحی' کہا جاتا ہے۔ یہ سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام کے دور سے شروع ہوا اور حضرت محمد ﷺ تک جاری رہا۔ ان تمام انبیاء ورسل کی یہی دعوت رہی کہ لوگو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو کیونکہ تمہارا خالق و مالک وہی رب ہے اس لیے عبادت واطاعت کا حق بھی اسی کے لیے ہے۔ انبیاء ورسل کی یہ بنیادی اور اصولی دعوت ہر دور میں اور ہر قوم میں برابر جاری رہی جیسا کہ قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیات سے معلوم ہوتا ہے:

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ فَمِنْهُم مَّنْ هَدَى اللَّهُ وَمِنْهُم مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلَالَةُ﴾[النحل۔۳۶]

''ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا (جس نے یہ دعوت دی کہ لوگو!) صرف اللہ کی عبادت کرو اور اس کے سوا تمام معبودوں (طاغوت) سے بچو۔ پس بعض لوگوں کو تو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی اور بعض پر گمراہی ثابت ہو گئی۔''

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ﴾[الانبیاء۔۲۵]

''تجھ سے پہلے بھی جو رسول ہم نے بھیجا اس کی طرف یہی وحی نازل فرمائی کہ میرے سوا کوئی معبود برحق نہیں پس تم سب میری ہی عبادت کرو۔''

اور اسی کو اللہ نے اپنا قانون بنا کر دنیا میں جاری کیا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ﴾[الاسراء۔۲۳]

''تمہارا رب یہ حکم کر چکا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو''

اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت واطاعت سے متعلقہ جو احکام انبیا ورسل پر اتارے ہیں انہیں 'شریعت' کہا جاتا ہے اور اس شریعت کی پابندی 'عبادت' ہے جبکہ یہ ایمان و یقین کہ ہمارا معبود حقیقی، حاکم مطلق اور آقا و فرمانروا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور اسی کے آگے ہم نے سر خم تسلیم کرنا ہے، 'دین' کہلاتا ہے۔ اس لحاظ سے دین ہمیشہ ایک ہی رہا ہے اور تمام انبیا ورسل اسی کی طرف دعوت دینے کے لیے آئے اور اپنے مخاطبین کو یہ کہتے رہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت و فرمانبرداری کرو، اس کے سوا عبادت واطاعت کا اور کوئی مجاز نہیں۔ انبیاء کی یہ دعوت دعوتِ دین کہلاتی ہے اور اسے قبول کرنا ایمان کہلاتا ہے۔

اگلی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری کیسے کی جائے اس کے لیے انبیاورسل اللہ کے حکم (وحی) سے ایک لائحہ عمل (قانون) دیا کرتے تھے تاکہ اس کے مطابق زندگی گزاری جائے۔ اسی لائحہ عمل اور قانون کا نام شریعت ہے جبکہ اس قانون (شریعت) پر عمل پیرا ہونے کا نام عبادت ہے۔ یہ قانون (شریعت) حالات کی مناسبت سے انبیا کو دیا جاتا اور حالات کی مناسبت ہی سے اللہ تعالیٰ اس میں تبدیلیاں بھی فرماتے۔ مثلاً حضرت آدم علیہ السلام کے دور میں ان کی اولاد کا (یعنی بہن بھائیوں) کا آپس میں نکاح اللہ نے جائز ٹھہرایا تھا مگر بعد کی شریعتوں میں اللہ تعالیٰ نے بہن بھائی کا نکاح حرام ٹھہرادیا۔ اسی طرح بعض شریعتوں میں دو حقیقی بہنوں کو ایک ہی نکاح میں جمع کرنا جائز تھا مگر محمدی شریعت میں اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمادیا۔ گویا جب سے یہ کائنات بنی ہے تب سے اس میں حالات کی مناسبت سے شریعتوں میں تبدیلی اور ترمیم وتنسیخ کا عمل جاری رہا، تاآنکہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی کی حیثیت سے مبعوث فرمادیا تو آپ کو دی جانے والی شریعت (یعنی اسلام) کو قیامت تک کے لیے ناقابل تنسیخ حیثیت دے دی۔ اب محمدی شریعت ہی واحد معیار نجات ہے جو قرآن وحدیث کی شکل میں اللہ تعالیٰ نے محفوظ فرمادی ہے۔ اب اسی شریعت پر عمل کرنا عبادت ہے اور اس سے انحراف بغاوت ہے۔

اصل توحید توحیدِ عبادت ہے

اللہ تعالیٰ کو خالق ورازق تسلیم کرنا، کائنات کا مدبر ومنتظم اور مالک حقیقی مان لینا بھی توحید میں داخل ہے جسے عام فہم انداز میں توحید ربوبیت یا توحید ذات کہا جاتا ہے مگر اصل توحید، توحید عبادت ہے جسے توحید الوہیت بھی کہا جاتا ہے یعنی ایک اللہ ہی کی کامل اطاعت وفرمانبرداری کی جائے، اس کے آگے رکوع وسجدہ کیا جائے اور اسی کے لیے نذرونیاز دی جائے، اسی کے حکم وقانون کو بالاتر تسلیم کیا جائے اور اس کے مقابلہ میں نہ کسی کی عبادت وپرستش کی جائے اور نہ کسی کا حکم وقانون اپنایا جائے۔ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو خالق، رازق اور مالک تسلیم کرنے کے باوجود عبادت واطاعت کسی اور کی کرے تو اس کی توحید کامل نہیں بلکہ مشرکین مکہ جو اللہ کو خالق، رازق اور کائنات کا مالک حقیقی تسلیم کرتے

تھے، انہیں اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے کافر ومشرک ہی قرار دیا کیونکہ عبادت واطاعت میں وہ ایک اللہ کے ساتھ اوروں کو بھی شریک ٹھہراتے تھے۔ عبادت و پرستش کے لیے تو انہوں نے اپنے ہاتھوں سے سینکڑوں بت تراش رکھے تھے جبکہ اطاعت وفرمانبرداری کے لیے بھی وہ حضرت محمد ﷺ کا قانون (شریعت) اپنانے کے لیے تیار نہ تھے۔ اس لیے جب تک توحید عبادت میں انسان کامل نہ ہو اور یہ ثابت نہ کرے کہ اس کا جینا مرنا سب اللہ ہی کے لیے ہے، تب تک اس کی نجات اخروی کا سوال پیدا ہی نہیں ہوسکتا۔ آئندہ صفحات میں ہم توحید عبادت سے متعلقہ چند اہم باتوں کی تفصیلات ذکر کریں گے:

توحید عبادت کی بنیادی صورتیں

توحید عبادت یہ ہے کہ زبان، مال اور جسم وجان سے تعلق رکھنے والی تمام عبادات صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے لیے بجالائی جائیں۔ چونکہ عبادت کی بنیادی طور پر تین ہی قسمیں ہیں یعنی زبانی، مالی اور جانی۔ اس لیے آئندہ سطور میں ان کی تفصیلات ذکر کی جائیں گی البتہ اس سے پہلے یہ بات واضح رہے کہ عبادت کی ان تین قسموں کی بنیاد صحیح بخاری ومسلم کی درج ذیل حدیث ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ جب تم نماز پڑھو تو (حالت تشہد) میں یہ پڑھا کرو:

﴿اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّیِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُهُ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ﴾ [بخاری (۸۳۱-۸۳۵) مسلم (۴۰۲)]

"قولی بدنی اور مالی عبادات صرف اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہیں۔ اے نبی ﷺ! آپ پر اللہ تعالیٰ کی سلامتی، اس کی رحمت اور برکتیں نازل ہوں۔ اور ہم پر بھی اور اللہ کے دوسرے نیک بندوں پر بھی سلامتی نازل ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔"

آئندہ سطور میں ہم زبانی، مالی اور جسمانی عبادات کی مختلف صورتیں بالتفصیل بیان کریں گے۔ ان شاء اللہ!

عبادت کی پہلی صورت...... زبانی عبادتیں

اس میں دعا، پکار، ندا، فریاد، استغاثہ (مدد مانگنا) استعاذہ (پناہ مانگنا) رضا طلب کرنا، اور ذکر وحمد وغیرہ شامل ہیں۔

۱)......مدد کے لیے ایک اللہ ہی سے دعا وفریاد کی جائے

کسی نعمت کے حصول، تنگی اور مصیبت سے نجات اور مشکل میں مدد کے لیے اللہ تعالیٰ کو پکارنا 'دعا' کہلاتا ہے خواہ آہستہ پکارا جائے یا اونچا، تنہائی میں پکارا جائے یا لوگوں کے جلو میں۔ اس دعا میں یہ تصور شامل ہوتا ہے کہ جس ذات کو پکارا جا رہا ہے وہ پکارنے والے کی حالت سے نہ صرف یہ کہ پوری طرح واقف ہے بلکہ اس کی حاجت پوری کرنے پر بھی پوری طرح قادر ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ ہی تنہا ایسی ذات ہے جو ہر وقت اور ہر حالت میں اپنی مخلوق کی پکار کو سنتی، دلوں کے ارمان کو جانتی اور ان کی مدد کرنے کی طاقت رکھتی ہے۔ اس لیے وہی ذات یہ حق رکھتی ہے کہ تنگی ومصیبت میں اسے ہی پکارا جائے، اسی کے در پر جھولی پھیلائی جائے، اسی سے فریاد کی جائے اور اسی سے مدد مانگی جائے۔ اسی لیے دعا کو عبادت کہا گیا بلکہ انسان محتاج، کمزور اور ضعیف ہونے کی وجہ سے ہر لمحہ کسی نہ کسی تنگی ومصیبت کا شکار اور ہر آن کسی نہ کسی نعمت کا طلبگار رہتا ہے اور اس کے لیے اسے اللہ کے حضور ہاتھ پھیلانے اور اس سے مانگنے کی ضرورت رہتی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ سے مانگنے، اسے پکارنے اور اس سے دعا کرنے کو عبادت کی روح اور مغز قرار دیا گیا۔ حدیث نبوی ہے:

((اَلدُّعَآءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ)) "دعا عبادت کا مغز ہے" [ترمذی: کتاب الدعوات: باب منه الدعاء مخ العبادة (ح ۳۳۷۱)] اس کی سند میں اگرچہ ضعف ہے مگر ترمذی ہی کی ایک اور روایت اس مفہوم میں کفایت کر جاتی ہے اور اس میں یہ الفاظ ہیں ((اَلدُّعَآءُ هُوَ الْعِبَادَةُ))

"دعا ہی (اصل) عبادت ہے۔" [ترمذی: ح(۳۳۷۲)]

بلکہ بعض احادیث میں تو یہ بھی ہے کہ ((مَنْ لَّمْ یَسْئَلِ اللّٰهَ یَغْضَبْ عَلَیْهِ))

"جو شخص اللہ سے دعا نہ کرے اللہ اس پر غصہ کرتے ہیں۔" [ترمذی: ایضاح ۳۳۷۳]

قرآن مجید میں بے شمار مقامات پر یہ بات بیان کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی سے مدد مانگو، اسی کو پکارو، اسی سے دعا اور فریاد کرو جبکہ اس کے بالمقابل پورے قرآن میں کہیں کوئی ایک آیت بھی ایسی نہیں کہ جس میں کہا گیا ہو کہ اپنی مشکلات میں اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کو پکارو بلکہ عہد نبوی میں جو لوگ اللہ کے علاوہ کسی اور کو اس نیت سے پکارتے تھے کہ وہ ہماری سنتے اور مدد کرنے کی طاقت رکھتے ہیں، انہیں کافر و مشرک قرار دیا گیا اور ان کے اس عقیدے کی عقلی و منطقی طریقے سے بھی پرزور تردید کی گئی۔ آئندہ سطور میں ہم چند ایسی آیات کا انتخاب پیش کر رہے ہیں جن میں صرف اور صرف اللہ کو پکارنے کا صاف صاف ذکر بلکہ حکم موجود ہے اور غیر اللہ کو پکارنے کی صاف ممانعت مذکور ہے:

﴿اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ﴾[الاعراف۔۵۵]

"تم لوگ اپنے پروردگار سے دعا کیا کرو گڑگڑا کر اور چپکے چپکے بھی، واقعی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ناپسند کرتا ہے جو حد سے نکل جائیں۔"

﴿وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا﴾[الجن۔۱۸]

"اور بے شک مسجدیں اللہ ہی کے لیے ہیں پس تم اللہ کے ساتھ کسی اور کو مت پکارو۔"

﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ اِيْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَا اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ﴾[الاحقاف۔۴،۵،۶]

"(اے نبی ﷺ) ان سے کہو! کبھی تم نے آنکھ کھول کر دیکھا بھی ہے کہ وہ ہستیاں ہیں کیا، جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو؟ ذرا مجھے دکھاؤ تو سہی کہ زمین میں انہوں نے کیا پیدا کر رکھا ہے؟ یا آسمانوں کی تخلیق یا تدبیر میں ان کا کوئی حصہ ہے؟ اس سے پہلے آئی ہوئی کتاب یا علم کا بقیہ (ان عقائد کے ثبوت میں) تمہارے پاس ہو تو وہی لے آؤ، اگر تم سچے ہو! آخر اس آدمی سے زیادہ گمراہ کون ہوگا جو اللہ کے علاوہ ایسی ہستیوں کو پکارے جو قیامت تک اسے جواب نہ دے سکتی ہوں بلکہ وہ ان کی دعاؤں

سے بے خبر ہیں اور جب تمام انسان جمع کیے جائیں گے اس وقت وہ ہستیاں پکارنے والوں کی دشمن بن جائیں گی اور ان کی عبادت کا انکار کر دیں گی۔"

﴿وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ، اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ﴾[النحل۔ ۲۰،۲۱]

"اور وہ دوسری ہستیاں جنہیں لوگ اللہ کے علاوہ پکارتے ہیں وہ کسی چیز کی بھی خالق نہیں بلکہ خود مخلوق ہیں، مردہ ہیں نہ کہ زندہ اور ان کو کچھ معلوم نہیں ہے کہ انہیں کب (دوبارہ زندہ کر کے) اٹھایا جائے گا۔"

﴿وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ﴾

"وہ لوگ جنہیں تم اللہ کے علاوہ پکارتے ہو وہ تمہاری مدد کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اور نہ ہی اپنی مدد آپ کر سکتے ہیں۔"[الاعراف۔۱۹۷]

تمام انبیاء و رسل اور اولیائے کرام اپنی مشکلات میں اللہ ہی کو پکارا کرتے تھے اور یہ ایمان رکھتے تھے کہ اللہ کے علاوہ اور کوئی ذات مافوق الاسباب اختیارات نہیں رکھتی، اس لیے اللہ کے علاوہ اور کسی کو پکارنا شرک ہے۔ ذیل میں چند انبیا کی وہ دعائیں اور فریادیں ذکر کی جارہی ہیں جو انہوں نے مشکلات کے وقت اللہ کے حضور پیش کی تھیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کی دعا:

جب حضرت آدم و حوا کو ایک غلطی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے جنت سے نکال دیا تو انہوں نے براہ راست اللہ سے معافی طلب کرتے ہوئے یہ دعا پڑھی تھی:

﴿قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾

"دونوں نے کہا اے رب ہمارے! ہم نے اپنا بڑا نقصان کیا ہے اور اگر تو ہماری مغفرت نہ کرے گا اور ہم پر رحم نہ کرے گا تو واقعی ہم نقصان پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔"[الاعراف۔۲۳] چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی لغزش کو معاف فرما دیا۔

حضرت نوح علیہ السلام کی دعا:

حضرت نوح علیہ السلام جب اپنی قوم کی سرکشی و نافرمانی سے تنگ آگئے اور انہیں یقین

ہو گیا کہ اب یہ اللہ کی طرف نہیں لوٹیں گے تو ان سے نجات کے لیے آپ علیہ السلام نے اللہ کے حضور ہاتھ پھیلا کر یہ دعا کی:

﴿وَقَالَ نُوحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا﴾[نوح ـ ٢٦،٢٧]

''اور (حضرت) نوح علیہ السلام نے کہا کہ اے میرے پالنے والے! تو روئے زمین پر کسی کافر کو رہنے سہنے والا نہ چھوڑ! اگر تو انہیں چھوڑ دے گا تو (یقیناً) یہ تیرے (اور) بندوں کو (بھی) گمراہ کریں گے اور یہ فاجروں اور ڈھیٹ کافروں ہی کو جنم دیں گے۔''

چنانچہ آپ کی دعا قبول ہوئی اور آپ کی کافر و مشرک قوم کو پانی کے عذاب سے ہلاک کر دیا گیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب آگ میں ڈالا گیا تو انہوں نے کافر و مشرک لوگوں سے رحم کی اپیل کرنے کی بجائے اللہ کے حضور درخواست کی اور کہا:

﴿حَسْبِيَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾[بخاری : كتاب التفسير:باب قوله :ان الذين قال لهم الناس ......(ح٤٥٦٤)]

''مجھے اللہ کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے۔''

چنانچہ اللہ کے حکم سے آگ ٹھنڈی ہو گئی اور ابراہیم علیہ السلام کو کوئی نقصان نہ پہنچا۔

حضرت یونس علیہ السلام کی دعا:

حضرت یونس علیہ السلام کو جب مچھلی نے زندہ سلامت اپنے پیٹ میں نگل لیا تو اس وقت انہوں نے کسی نبی، ولی، پیر، فقیر، شہید، فرشتے اور جن وغیرہ کو پکارنے کی بجائے سیدھا اللہ رب العزت کو پکارا اور یہ دعا مانگی:

﴿فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ﴾

''بالآخر اندھیروں کے اندر سے وہ پکار اٹھا کہ الٰہی! تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو پاک ہے۔ بے شک میں ظالموں میں سے ہو گیا ہوں۔''[الانبیاء ـ ٨٧]

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ وَكَذٰلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ﴾

''چنانچہ ہم نے اس کی پکار سن لی اور اسے ہم نے نجات دی اور ہم ایمان والوں کو اس طرح بچالیا کرتے ہیں۔'' [الانبیاء۔۸۸]

بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس نبی کے بارے میں فرمایا کہ

﴿فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ﴾

''اگر وہ (یونس علیہ السلام اللہ کی) تسبیح بیان نہ کرتے تو قیامت تک اسی (مچھلی) کے پیٹ میں رہتے۔'' [الصّٰفّٰت ۔۱۴۳،۱۴۴]

چنانچہ اللہ کے حضور فریاد کرنے سے مچھلی نے اللہ ہی کے حکم سے حضرت یونس علیہ السلام کو باہر خشکی پر پھینک دیا اور اس طرح آپ کی جان بخشی ہوئی۔

حضرت ایوب علیہ السلام کی دعا:

حضرت ایوب علیہ السلام ایک عرصہ تک شدید بیماریوں میں مبتلا رہے اور صبر کرتے رہے حتی کہ جب انہوں نے پکارا تو اللہ ہی کو پکارا اور کہا:

﴿اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ﴾[صٓ ۔۴۱]

''جب اس نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھے شیطان نے رنج و دکھ پہنچایا ہے۔''

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دوبارہ صحت و عافیت بخش دی۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کی دعا:

حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹے یوسف علیہ السلام کی جدائی میں کئی سالوں تک تڑپتے رہے حتی کہ رو رو کر بینائی بھی ضائع ہوگئی اور اپنے اس غم کو دور کرنے کے لیے جب آپ پکارتے تو ایک اللہ ہی کو پکارتے اور کہتے:

﴿اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ﴾(یوسف:۸۶)

''میں تو اپنی پریشانیوں اور رنج کی فریاد اللہ ہی سے کر رہا ہوں۔''

بالآخر اللہ تعالیٰ نے آپ کو آپ کے بیٹے سے ملا دیا۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا:

حضرت زکریا علیہ السلام بڑھاپے کی عمر جا پہنچے مگر اللہ کے حکم سے ان کے ہاں اولاد نہ ہوئی مگر جب انہوں نے اولاد کے لیے فریاد کی تو اسی اللہ کے دربار میں جھولی پھیلائی اور یہ دعا مانگی:

﴿إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ نِدَاءً خَفِيًّا قَالَ رَبِّ إِنِّي وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّي وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا وَلَمْ أَكُنْ بِدُعَائِكَ رَبِّ شَقِيًّا وَإِنِّي خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَرَائِي وَكَانَتِ امْرَأَتِي عَاقِرًا فَهَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا﴾ [مریم ۔ ۳ تا ۵]

"جب کہ اس نے اپنے رب سے چپکے چپکے دعا کی کہ اے میرے پروردگا! میری ہڈیاں کمزور ہوگئی ہیں اور سر بڑھاپے کی وجہ سے بھڑک اٹھا ہے، لیکن میں کبھی بھی تجھ سے دعا کر کے محروم نہیں رہا۔ مجھے اپنے مرنے کے بعد اپنے قرابت والوں کا ڈر ہے، میری بیوی بھی بانجھ ہے، پس تو مجھے اپنے پاس سے وارث عطا فرما۔"

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کرتے ہوئے فرمایا:

﴿يَا زَكَرِيَّا إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ اسْمُهُ يَحْيَىٰ لَمْ نَجْعَلْ لَهُ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا﴾ [مریم ۔ ٦]

"اے زکریا! ہم تجھے ایک بچے کی خوشخبری دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہے، ہم نے اس سے پہلے اس کا ہم نام بھی کسی کو نہیں کیا۔"

۲)......صرف اللہ ہی سے پناہ طلب کی جائے:

اللہ تعالیٰ ساری کائنات کا خالق و مالک ہے اس کے حکم و اذن کے بغیر کچھ نہیں ہوتا کسی شخص کو اگر وہ اپنی پناہ میں لے لے تو ساری کائنات مل کر بھی اسے نقصان نہیں پہنچا سکتی اور کسی کو اگر وہ نقصان پہنچانا چاہے تو ساری کائنات مل کر بھی اس سے نقصان کو دور نہیں کر سکتی اس لیے مخلوق کے شر سے اسی ذات واحد کی پناہ مانگی جائے، خود اللہ نے اپنے انبیاء و رسل کو یہ تعلیم دی کہ وہ اللہ تعالیٰ ہی سے پناہ طلب کریں مثلاً قرآن مجید کی آخری دو سورتوں (سورۃ الفلق اور سورۃ الناس) میں نبی اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے پناہ مانگنے کے لیے یہ دعا سکھائی:

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ٥مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ٥وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ٥وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ٥ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ٥

''آپ ﷺ کہہ دیجیے کہ میں صبح کے رب کی پناہ میں آتا ہوں، ہر اس چیز کے شر سے جو اس نے پیدا کی ہے۔اور اندھیری رات کی تاریکی کے شر سے کہ جب اس کا اندھیرا پھیل جائے اور گرہ لگا کر ان میں پھونکنے والیوں کے شر سے بھی اور حسد کرنیوالے کی برائی سے بھی جب وہ حسد کرے''۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ٥ مَلِکِ النَّاسِ٥ اِلٰهِ النَّاسِ ٥ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ٥ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ٥ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ٥

''آپ ﷺ کہہ دیجیے کہ میں لوگوں کے پروردگار کی پناہ میں آتا ہوں،لوگوں کے مالک کی اور لوگوں کے معبود کی پناہ میں (آتا ہوں) وسوسہ ڈالنے والے، پیچھے ہٹ جانے والے کے شر سے جو لوگوں کے سینوں میں وسوسہ ڈالتا ہے،خواہ وہ جنات میں سے ہو یا انسانوں میں سے۔''

۳)......اٹھتے بیٹھتے اور سوتے جاگتے صرف اللہ کا ذکر کیا جائے:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِیْرًا وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِیْلًا﴾[الاحزاب۔۴۱،۴۲]

''مسلمانو!اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت زیادہ کرو اور صبح وشام اس کی پاکیزگی بیان کرو۔''

۴)......صرف اللہ کی قسم کھائی جائے:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ اپنے باپ کی قسم کھائی تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((اَلَا اِنَّ اللّٰهَ یَنْهَاكُمْ اَنْ تَحْلِفُوا بِآبَائِكُمْ مَنْ كَانَ حَالِفًا فَلْیَحْلِفْ بِاللّٰهِ اَوْ لِیَصْمُتْ))[بخاری : کتاب الایمان :باب لاتحلفوا بآبائکم (ح۶۶۴۶)]

''خبردار!اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنے آباؤاجداد کی قسم کھانے سے منع فرمادیا ہے۔ جو شخص قسم کھانا چاہے اسے چاہیے کہ اللہ کی قسم کھائے یا پھر خاموش رہے۔''

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

"جس شخص نے لات اور عزیٰ (بتوں) کی قسم کھائی اسے چاہیے کہ وہ (توبہ کرتے ہوئے) **لاالہ الااللہ** کہے۔" [بخاری :ایضا:باب لایخلف بالات والعزی(٦٦٥٠)]

۵)......توبہ وانابت:

انسان کو چاہیے کہ گناہوں کے سرزد ہو جانے کے بعد اللہ کی طرف رجوع اور توبہ کرے کیونکہ وہی ذات گناہوں کو معاف کرنے والی ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ﴾[الزمر۔٥٤]

"تم اپنے پرودگار کی طرف رجوع کرو اور اسی کے لیے فرمانبردار بن جاؤ"

٦)......توکل واعتماد:

انسان کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ ہی کو اپنا سہارا سمجھے اور اسی پر حقیقی توکل کرے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾[المائدة ـ ٢٣]

"اور اللہ تعالیٰ پر توکل کرو اگر تم ایمان والے ہو۔"

﴿وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ﴾[الطلاق۔٣]

"جو شخص اللہ پر توکل کرتا ہے اللہ اس کے لیے کافی ہو جاتا ہے۔"

عبادت کی دوسری صورت...... جسمانی عبادتیں

زبان چونکہ جسم کا حصہ ہے اس لیے زبان سے کی جانے والی عبادتیں بھی جسمانی عبادتوں میں شامل ہیں۔اسی طرح دل بھی جسم کا حصہ ہے اور اس سے متعلقہ عبادتیں بھی جسمانی عبادتوں میں شامل ہیں۔زبانی عبادتوں کو چونکہ ہم گزشتہ سطور میں ذکر کر چکے ہیں اس لیے اب یہاں قلب وجسم سے متعلقہ عبادتوں کو بیان کیا جائے گا:

دل سے متعلقہ عبادتیں:

اس میں وہ عبادات شامل ہیں جن کا تعلق کسی نہ کسی پہلو سے دل کے ساتھ ہے مثلاً ایمان ویقین، محبت وخشیت، رجا ورغبت، توکل وانابت وغیرہ۔آئندہ سطور میں ان کی تفصیلات ذکر کی جاتی ہیں:

۱)......ایمان ویقین:

انسان کو چاہیے کہ وہ صدق دل سے اللہ تعالیٰ کے خالق و مالک اور رب ہونے پر ایمان رکھے۔اسی طرح اللہ تعالیٰ کے رسولوں، آسمانی کتابوں، فرشتوں، تقدیر اور یوم آخرت پر بھی کامل یقین رکھے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا ﴾ [النسآء: ۱۳۶]

''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ پر اس کے رسول ﷺ پر، اس کی کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر اتاری ہے اور ان کتابوں پر جو اس سے پہلے اس نے نازل فرمائی ہیں، ایمان لاؤ! جو شخص اللہ سے، اس کے فرشتوں سے، اس کی کتابوں سے، اس کے رسولوں سے اور قیامت کے دن سے کفر کرے وہ تو بہت بڑی دور کی گمراہی میں جا پڑا۔''

۲)......محبت وخشیت:

انسان کو چاہیے کہ وہ سب سے زیادہ محبت اللہ تعالیٰ سے رکھے اور سب سے زیادہ ڈر بھی اسے اللہ ہی کا ہونا چاہیے حتیٰ کہ دوسروں کے ساتھ دوستی اور دشمنی کی بنیاد بھی اس کے نزدیک اللہ کی رضا وخشنودی ہونی چاہیے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ﴾ [البقرة۔۱۶۵] ''اور ایمان والے اللہ کی محبت میں بہت سخت ہوتے ہیں۔'' نیز ارشاد باری ہے: ﴿فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ ﴾[المائدة۔٤٤] ''پس تم لوگوں سے نہ ڈرو اور صرف میرا ڈر رکھو۔''

۳)......رجا اور رغبت:

انسان کو چاہیے کہ وہ ہر طرح کی خیر و بھلائی کی امید اللہ تعالیٰ سے وابستہ کرے کیونکہ تمام بھلائیاں اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِی النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ

الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴾

''آپ کہہ دیجئے اے میرے معبود! اے تمام جہاں کے مالک! تو جسے چاہے بادشاہی دے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے اور تو جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت دے، تیرے ہاتھ ہی میں سب بھلائیاں ہیں، بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔ تو ہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں لے جاتا ہے، تو ہی بے جان سے جاندار پیدا کرتا ہے اور تو ہی جاندار سے بے جان پیدا کرتا ہے تو ہی ہے کہ جسے چاہتا ہے بے شمار روزی دیتا ہے'' [آل عمران۔ ۲۷،۲۶]

جسم و بدن سے متعلقہ عبادتیں

اس میں نماز و قیام، رکوع و سجود، طواف و اعتکاف، حج و روزہ وغیرہ شامل ہیں۔

نماز اور قیام صرف اللہ کے لیے:

﴿قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ﴾[الانعام ۱۶۲]

''(اے نبیؐ) آپ فرما دیجیے! کہ بالیقین میری نماز، اور میری ساری عبادت، اور میرا جینا اور میرا مرنا یہ سب خالص اللہ ہی کے لیے ہے جو سارے جہانوں کا مالک ہے''

﴿حَافِظُوْا عَلَی الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوۃِ الْوُسْطٰی وَقُوْمُوْا لِلّٰہِ قَانِتِیْنَ ﴾

''نمازوں کی حفاظت کرو بالخصوص درمیان والی نماز کی اور اللہ تعالیٰ کے لیے باادب کھڑے ہوا کرو۔'' [البقرۃ۔ ۲۳۸]

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ سَرَّہُ اَنْ یَّتَمَثَّلَ لَہُ الرِّجَالُ قِیَامًا فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَہُ مِنَ النَّارِ)) [ترمذی: کتاب الادب :باب ماجاء فی کراھیة قیام الرجل للرجل (۲۷۵۵) ابو داؤد (۵۲۲۹)]

''جو آدمی یہ پسند کرتا ہو کہ لوگ اس کے سامنے تصویر کی طرح (بے حس و حرکت اور باادب ہو کر) کھڑے ہوں تو وہ اپنی جگہ جہنم میں بنا لے۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی نبی اکرم ﷺ کی تعظیم کے لیے کھڑے نہیں ہوا کرتے تھے کیونکہ آپؐ اس بات کو پسند نہیں فرماتے تھے جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ((لَمْ یَکُنْ شَخْصٌ اَحَبَّ اِلَیْھِمْ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ (قال) وَکَانُوْا اِذَا رَأَوْہُ لَمْ

يَقُومُوا لِمَا يَعْلَمُونَ مِنْ كَرَاهِيَتِهِ لِذٰلِكَ))[ترمذی: ایضا(ح ٢٧٥٤)]

''صحابہ کرام کو اللہ کے رسول سے زیادہ کوئی شخص محبوب نہ تھا اور جب وہ آپؐ کو (تشریف لاتے) دیکھ لیتے تو کھڑے نہیں ہوتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ آنحضرت ﷺ اس قیام کو ناپسند کرتے ہیں۔''

معلوم ہوا کہ کسی کے لیے باادب ہو کر قیام کرنا اس کی حد درجہ تعظیم ہے اور حد درجہ تعظیم کا حق صرف اللہ تعالیٰ ہی رکھتے ہیں۔ اگرچہ بعض رویات سے قیام کا جواز بھی معلوم ہوتا ہے مگر وہ اس وقت ہے جب قیام تعظیمی نہ ہو بلکہ قیام استقبالی ہو اور اس میں کھڑے ہونے والے کی حقارت نہ ہو اور نہ ہی دوسرا شخص بطور تکبر اس کو پسند کر رہا ہو۔

واضح رہے کہ بعض لوگ جو'محفل میلاد' منعقد کرتے ہیں تو آخر میں کچھ دیر کے لیے اس خیال سے ازراہ تعظیم کھڑے ہو جاتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ بھی یہاں تشریف لے آئے ہیں۔ حالانکہ اول تو اللہ کے رسولؐ عالم برزخ میں ہیں اور عالم برزخ کا ہمارے اس عالم حیات سے کوئی تعلق نہیں اور دوسری بات یہ کہ اللہ کے رسول ﷺ نے تو اس بات کو ناپسند فرمایا ہے کہ تعظیم کے لیے کھڑا ہوا جائے اور جب صحابہ کرام بھی آپ کی زندگی میں آپؐ کے لیے کھڑا نہیں ہوا کرتے تھے تو ہمارے لیے یہ کیسے جائز ہو گیا کہ ہم ایک فرضی تصور کے ساتھ آپؐ کے لیے کھڑے ہوں؟!

رکوع و سجود صرف اللہ کے لیے:

کسی کے آگے جھکنا، رکوع کہلاتا ہے اور ماتھا زمین پر ٹیک کر بچھ جانا سجدہ کہلاتا ہے۔ رکوع اور سجدہ یا تو کسی کی تعظیم کے لیے کیا جاتا ہے یا پھر اس کی پرستش کی نیت سے۔ جہاں تک عبادت و پرستش کے لیے رکوع و سجود کا تعلق ہے تو یہ اللہ کے علاوہ اور کسی کے لیے جائز نہیں۔ جبکہ تعظیم اور ادب و احترام کے لیے اللہ کے علاوہ کسی کے آگے رکوع و سجود بعض شریعتوں میں اللہ تعالیٰ نے جائز رکھا تھا مثلاً حضرت یوسف علیہ السلام کے لیے ان کے بھائیوں اور والدین کا سجدہ کرنا ان کی شریعت میں جائز تھا مگر محمدی شریعت میں تعظیمی رکوع و سجود سے بھی منع فرما دیا گیا جیسا کہ مندرجہ ذیل آیات اور احادیث سے ثابت ہوتا ہے۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾[حج۔٧٧]

"اے ایمان والو! رکوع اور سجود کرتے رہو، اور اپنے رب کی عبادت میں لگے رہو۔ اور نیک کام کرتے رہو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔"

﴿وَمِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ لَاتَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ﴾ [حمٓ السجدة ۳۷]

"اور دن اور رات اور سورج چاند بھی اس کی نشانیوں میں سے ہیں۔ تم سورج کو سجدہ نہ کرو اور نہ چاند کو، بلکہ سجدہ اس اللہ کے لیے کرو جس نے ان سب کو پیدا کیا ہے، اگر تمہیں اس کی عبادت کرنی ہے تو۔"

حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حیرہ (یمن کا شہر) آیا تو میں نے دیکھا کہ وہاں کے لوگ اپنے بادشاہ مرزبان کے لیے سجدہ کرتے تھے میں نے سوچا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم (ان حاکموں اور بادشاہوں کے مقابلہ میں) سجدہ کے زیادہ حقدار ہیں چنانچہ جب میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں حیرہ شہر میں گیا تو وہاں دیکھا کہ لوگ اپنے بادشاہ مرزبان کو سجدہ کرتے ہیں جبکہ آپ اس بات کا زیادہ حق رکھتے ہیں کہ ہم آپ کو سجدہ کریں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اچھا یہ بتاؤ اگر تمہارا گزر میری قبر پر ہو تو کیا میری قبر پر تم سجدہ کرو گے؟ میں نے کہا نہیں تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((فَلَا تَفْعَلُوْا لَوْ كُنْتُ آمِرًا اَحَدًا اَنْ يَّسْجُدَ لِاَحَدٍ لَاَمَرْتُ النِّسَآءَ اَنْ يَّسْجُدْنَ لِاَزْوَاجِهِنَّ لِمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَهُمْ عَلَيْهِنَّ مِنَ الْحَقِّ)) [ابو داؤد: کتاب النكاح :باب فى حق الزوج على المراة (ح ۲۱۴۰)]

"پھر مجھے بھی سجدہ نہ کرو اور اگر میں کسی کو یہ حکم دینا چاہتا کہ وہ (اللہ کے سوا) کسی اور کے لیے سجدہ کرے تو پھر میں عورتوں کو یہ حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوندوں کو سجدہ کریں اس حق کے بدلہ میں جو اللہ تعالیٰ نے خاوندوں کے لیے مقرر کیا ہے۔" [شیخ البانیؒ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے ماسوائے قبر والے جملہ کے۔ دیکھیے ہماری کتاب: "هدية العروس" (صفحہ ۱۸۶)]

معلوم ہوا کہ اللہ کے علاوہ کسی اور کے لیے جھکنا اور سجدہ کرنا کسی طرح بھی جائز نہیں اگر تعظیم کی نیت سے ایسا کیا جائے تو یہ کبیرہ گناہ ہے اور اگر عبادت و پرستش کی نیت سے کیا جائے تو پھر یہ شرک اکبر ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس بات کو پسند نہ کیا کہ انسان

اپنے جیسے انسان یا مخلوق کے لیے سجدہ ریز ہو بلکہ اپنے لیے بھی کسی کو سجدہ کرنے کی اجازت نہ دی۔ اب یہ تو ہے قرآن وسنت کی صاف شفاف اور مؤحدانہ تعلیم مگر افسوس ان کلمہ گو اور نام کے مسلمانوں پر جن کی جبیں غیر اللہ کے آگے جھکتی ہے اور اس سے زیادہ افسوس ہے ان نام نہاد علماء پر جو حضرت آدم علیہ السلام کے لیے فرشتوں کے سجدہ کرنے یا حضرت یوسف علیہ السلام کے لیے ان کے بھائیوں کے سجدہ کرنے کو اس بات کے ثبوت اور دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں کہ غیر اللہ کے لیے سجدہ جائز ہے حالانکہ اگر پہلی شریعتوں میں تعظیمی سجدہ جائز بھی تھا تو آخری صاحب شریعت اور خاتم النبیین ؐ نے اس کو منسوخ فرما دیا۔ لیکن اس کے باوجود اگر کوئی ضد کرے تو اس کے لیے سوائے دعا اور اس کے اس رویہ پر سوائے افسوس کے اور کیا کیا جا سکتا ہے!

قبروں پر سجدہ ریزی کی حرمت:

ذیل میں چند ایک ایسی صحیح احادیث ذکر کی جا رہی ہیں جن میں قبروں پر سجدہ کرنے کی صاف ممانعت مذکور ہے:

۱)...... حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسولؐ نے اپنی وفات سے پانچ روز قبل یہ ارشاد فرمایا:

''لوگو! کان کھول کر سن لو کہ تم سے پہلی اُمتوں نے اپنے نبیوں اور ولیوں کی قبروں کو مسجدیں (سجدہ گاہ) بنا لیا تھا۔ خبردار! تم قبروں پر مسجدیں مت بنانا، میں تمھیں اس بات سے منع کرتا ہوں۔'' [مسلم: کتاب المساجد: باب النھی عن بناء المسجد علی القبور---(ح ۵۳۲)] واضح رہے کہ یہاں حدیث میں مسجد کا لفظ آیا ہے اور لغت کی رو سے مسجد اس جگہ کو کہا جاتا ہے جہاں کوئی سجدہ کرتا ہو، خواہ وہ جگہ قبرستان ہو یا نماز پڑھنے کی مخصوص عمارت (مسجد)۔ اس حدیث میں لفظ مسجد کے لغوی معنی مراد لیے گئے ہیں جیسا کہ اگلی دو حدیثیں بھی اس کی وضاحت کر رہی ہیں۔

۲)...... حضرت اُمّ حبیبہ اور ام سلمہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''یقیناً ان (یہود ونصاریٰ) میں جب کوئی نیک آدمی فوت ہو جاتا تو وہ اس کی قبر پر مسجد (سجدہ گاہ) بنا لیتے اور اس میں تصاویر آویزاں کرتے، یہی لوگ روزِ قیامت

اللہ کے نزدیک بدترین مخلوق شمار ہوں گے۔'' [بخاری : کتاب الصلاۃ: باب الصلاۃ فی البیعۃ(ح ٤٣٤)مسلم(ح ٥٢٨)]

۳)......حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول کا یہ ارشاد سنا:

''بلا شبہ بدترین لوگ وہ ہیں جن کی زندگی میں قیامت قائم ہوگی اور وہ ایسے لوگ ہوں گے جو قبروں کو مسجدیں (یعنی سجدہ گاہیں) بنالیں گے'' ۔[مسند احمد(١/٤٠٥) ابن حبان(ح ٢٣١٦) ابو یعلی (ح ٥٣١٦) ابن خزیمہ(ح ٧٨٩)]

۴)......ایک اور حدیث نبویؐ ہے کہ

''لَاتَجْلِسُوا عَلَى الْقُبُورِ وَلَا تُصَلُّوا إِلَيْهَا''

''قبروں پر نہ بیٹھو اور نہ ہی ان کی طرف نماز پڑھو'' [مسلم: کتاب الجنائز: باب النهی عن الجلوس علی القبر۔۔(ح ٩٧٢)ابو داؤد(١/٧١) نسائی(١/١٢٤)ترمذی(١/١٥٤)]

طواف واعتکاف بھی صرف اللہ کے لیے:

اجر وثواب کی نیت سے کسی خاص مقام کے گرد چکر لگانا 'طواف' اور اسی نیت سے کسی خاص مقام پر مخصوص مدت کے لیے بیٹھنا 'اعتکاف' کہلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بابرکت گھر بیت اللہ کے گرد چکر لگانا یعنی طواف کرنا حج وعمرہ کی عبادات میں شامل ہے اور یہی ایک گھر ہے جس کا طواف عبادت ہے اس کے علاوہ کسی اور گھر، مقام یا جگہ کا طواف غیر اللہ کی عبادت میں شمار ہوگا۔ بیت اللہ کے طواف کے بارے میں قرآن مجید میں ارشاد ہوا:

﴿وَعَهِدْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ﴾[البقرة ـ ١٢٥]

''اور ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) اور اسماعیل (علیہ السلام) سے وعدہ لیا کہ تم میرے گھر کو طواف کرنے والوں، اعتکاف کرنے والوں اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک صاف رکھو۔''

مشرکین مکہ بیت اللہ کا طواف بھی کیا کرتے تھے اور اس کے علاوہ اپنے بعض بتوں کے آستانوں کا طواف بھی کیا کرتے تھے۔ طواف چونکہ ایک عبادت ہے اس لیے مشرکین مکہ کا اپنے بتوں کے لیے طواف واضح شرک تھا جسے اللہ کے رسول ﷺ نے

بالآخر ختم فرمادیا اور قیامت کے قریب اس شرک کے دوبارہ شروع ہو جانے کے بارے میں یہ پیشگوئی بھی فرمائی کہ

﴿لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى تَضْطَرِبَ اَلْيَاتُ نِسَاۤءِ دَوْسٍ عَلٰى ذِي الْخَلَصَةِ: وَذُو الْخَلَصَةِ : طَاغِيَةُ دَوْسٍ الَّتِيْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَهَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ﴾ [بخاری : كتاب الفتن : باب تغير الزمان حتى تعبد الاوثان(ح۷۱۱٦) مسلم (ح۲۹۰٦)]

''قیامت قائم نہیں ہوگی حتی کہ دوس قبیلے کی عورتوں کے سرین (چوتڑ) ذوالخلصہ پر حرکت کریں گے۔'' ذوالخلصہ دوس قبیلے کا بت تھا جس کی وہ جاہلیت میں عبادت کرتے تھے۔'' [یعنی عورتیں اس کے گرد طواف کریں گی، اس سلسلہ میں مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے ہماری کتاب: قیامت کی نشانیاں ص۱۵۷، ۱۵۸]

طواف تو صرف بیت اللہ کا کیا جا سکتا ہے جبکہ اعتکاف کسی بھی مسجد میں اور کسی بھی وقت کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ یہ اللہ کے لیے ہو کیونکہ اعتکاف بھی ایک عبادت ہے اور عبادت کا حقدار صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے ۔لیکن یاد رہے کہ مسجد چھوڑ کر کھلے میدانوں میں اعتکاف کرنا قرآن وحدیث سے ثابت نہیں!

حج اور روزہ بھی صرف اللہ کے لیے:

حج اور روزہ بھی چونکہ عبادات ہیں اس لیے یہ حق بھی اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے کہ اسی کے لیے روزہ رکھا جائے اور اسی کے لیے اس کے گھر (بیت اللہ، کعبہ) کا حج کیا جائے۔ اگر کوئی شخص اللہ کے علاوہ کسی اور کے لیے روزہ رکھے یا بھوک برداشت کرے یا کسی اور کے لیے حج کرے تو اس کا یہ عمل یقیناً شرک ہوگا۔

عبادت کی تیسری صورت...... مالی عبادتیں

اس میں نذر ونیاز، صدقہ وخیرات اور قربانی وغیرہ شامل ہے، جن کی تفصیل یہ ہے:

نذر ونیاز صرف اللہ کے لیے:

'نذر' بنیادی طور پر عربی زبان کا لفظ ہے، اردو میں اس کا ترجمہ 'منت' اور فارسی میں 'نیاز' کیا جاتا ہے ۔یہ دراصل عبادت کی وہ قسم ہے جسے کوئی شخص اپنے اوپر لازم

کر لیتا ہے مثلاً کوئی شخص یہ ارادہ کر لے کہ اگر میرا فلاں کام ہو گیا یا میری فلاں مراد پوری ہو گئی تو میں اس کے بدلہ میں اتنے نوافل ادا کروں گا، یا میری فلاں مشکل حل ہو گئی تو میں اتنا صدقہ کروں گا یا اتنے روزے رکھوں گا۔ نذر و نیاز میں اگرچہ ہر طرح کی عبادت شامل ہوتی ہے مگر عام طور پر اسے مالی عبادت کے مفہوم میں استعمال کیا جاتا ہے جیسا کہ مولانا وحید الزمان قاسمی رقم طراز ہیں کہ

''نذر، منت وہ صدقہ یا عبادت وغیرہ جسے اللہ کے لئے اپنے اوپر لازم کیا جائے اور اپنے مقصد کی تکمیل پر اسے ادا اور پورا کیا جائے۔'' [القاموس الوحید: ص ۱٦٣]

معلوم ہوا کہ نذر و نیاز، منت اور چڑھاوا عبادت ہے اور عبادت کے لائق صرف اور صرف اللہ کی ذات ہے۔ اس سے خود ہی یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ اگر کوئی غیر اللہ کے لیے نذر و نیاز دے یا غیر اللہ کے لیے منت مانے تو وہ شرک کا مرتکب ٹھہرتا ہے۔ اس کی وضاحت اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ کفار مکہ جو غیر اللہ کے لیے نذر و نیاز دیتے تھے ان کے اس فعل کو اللہ تعالیٰ نے شرک قرار دیا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَجَعَلُوا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَأَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْأَنْعَامِ نَصِيبًا فَقَالُوا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَائِنَا﴾ [الانعام ـ ۱۳٦]

''اور اللہ تعالیٰ نے جو کھیتی اور مویشی پیدا کیے ہیں ان لوگوں نے اس میں سے کچھ حصہ اللہ کا مقرر کر لیا اور بزعم خود کہتے ہیں کہ یہ تو اللہ کا ہے اور یہ ہمارے معبودوں کا ہے۔''

﴿مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيرَةٍ وَّلَا سَائِبَةٍ وَّلَا وَصِيلَةٍ وَّلَا حَامٍ وَّلٰكِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يَفْتَرُونَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَأَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ﴾ [المائدة ـ ۱۰۳]

''اللہ تعالیٰ نے نہ بحیرہ کو مشروع کیا ہے اور نہ سائبہ کو اور نہ وصیلہ کو اور نہ حام کو لیکن جو لوگ کافر ہیں وہ اللہ پر جھوٹ لگاتے ہیں اور اکثر کافر عقل نہیں رکھتے۔''

واضح رہے کہ بحیرہ، سائبہ، وصیلہ، اور حام وغیرہ ان مخصوص جانوروں کے نام ہیں جنہیں مشرکین مکہ غیر اللہ کے نام پر آزاد چھوڑ دیتے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے اس عمل کو سخت ناپسند کیا۔ غیر اللہ کے نام پر نذر و نیاز دینا کتنا بڑا گناہ ہے اس کا اندازہ حضرت سلیمان رضی اللہ عنہ سے مروی اس روایت سے بخوبی کیا جا سکتا ہے جس میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''ایک آدمی مکھی کی وجہ سے جنت میں گیا اور دوسرا مکھی کی وجہ سے جہنم میں داخل ہو گیا۔ لوگوں نے اللہ کے رسول ﷺ سے پوچھا کہ وہ کیسے؟ آپ نے فرمایا کہ تم سے پہلے لوگوں میں دو آدمی تھے جو ایک جگہ سے گزرے اور وہاں لوگوں نے ایک بت رکھا ہوا تھا۔ جب تک اس کا چڑھاوا نہ چڑھایا جاتا تب تک کوئی شخص وہاں سے گزر نہیں سکتا تھا۔ ان لوگوں نے ان دو میں سے ایک سے کہا کہ اس بت کے لیے کچھ نذر و نیاز پیش کرو۔ اس نے کہا میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے، ان لوگوں نے کہا کہ کچھ نہ کچھ نذر و نیاز تو دینا پڑے گی خواہ ایک مکھی ہی کیوں نہ ہو۔ اس نے مکھی کا چڑھاوا چڑھایا اور وہاں سے گزر گیا یہ تو (اپنے اس فعل کی وجہ سے) جہنم میں گیا۔ ان لوگوں نے دوسرے آدمی سے بھی کہا کہ نذر پیش کرو اس نے کہا میں اللہ کے سوا کسی کے لیے کوئی نذرانہ نہیں دے سکتا۔ تو لوگوں نے اسے قتل کر دیا اور وہ جنت میں جا پہنچا۔'' [حلیة الاولیاء لابی نعیم الاصفہانی (ج ۱ ص ۲۰۳) کتاب الزھد لاحمد بن حنبل (ص ۱۵)]

یاد رہے کہ غیر اللہ کے لیے نیاز دی جانے والی چیز کھانا بھی درست نہیں بلکہ ایسی چیز کو مردار اور خنزیر کھانے کے مشابہ قرار دیا گیا ہے۔ [دیکھئے: سورۃ المائدۃ۔ ۳] افسوس ہے ایسے لوگوں پر جو غیر اللہ کے لیے دیگیں پکا کر تقسیم کرتے ہیں!

ہر طرح کی قربانی صرف اللہ کے لیے ہونی چاہیے

قربانی بھی ایک عبادت ہے اس لیے اگر اللہ کے علاوہ کسی اور خوش کرنے کے لیے جانور ذبح کیا جائے تو وہ شرک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو حکم دیا کہ

﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ [الکوثر۔ ۲]

''اپنے رب کے لیے آپ نماز پڑھیے اور (اسی کے لیے) قربانی کیجیے''

جو حلال جانور اللہ کے علاوہ کسی اور کے لیے ذبح کیا جائے وہ جانور پھر حلال نہیں رہتا بلکہ حرام ہو جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ﴾ [المائدۃ۔ ۳]

''تم پر حرام کیا گیا ہے مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور جس پر اللہ کے سوا کسی دوسرے کا نام پکارا گیا ہو۔ اور جو گلا گھٹنے سے مرا ہو اور جو کسی ضرب سے مر گیا ہو اور جو کسی اونچی جگہ سے گر کر مرا ہو اور جو کسی کے سینگ مارنے سے مرا ہو اور جسے درندوں نے پھاڑ کھایا ہو لیکن اسے (اگر مرنے سے پہلے) تم ذبح کر ڈالو تو حرام نہیں اور جو آستانوں پر ذبح کیا گیا ہو (وہ بھی حرام ہے)۔'' نیز ارشاد باری ہے:

﴿وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ﴾ [الانعام۔۱۲۱]

''اور وہ چیز نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو''۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے مجھے یہ فرمایا کہ

((لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللّٰهِ وَلَعَنَ اللّٰهُ مَنْ آوٰى مُحْدِثًا وَلَعَنَ اللّٰهُ مَنْ لَعَنَ وَالِدَيْهِ وَلَعَنَ مَنْ غَيَّرَ مَنَارَ الْأَرْضِ)) [مسلم: کتاب الاضاحی: باب تحریم الذبح لغیر اللہ (ح۱۹۷۸)]

''اللہ تعالیٰ نے چار بندوں پر لعنت فرمائی ہے: (۱) ایک وہ جو اللہ کے علاوہ کسی اور کے لیے جانور ذبح کرے۔ (۲) دوسرا وہ جو (اپنی جگہ بڑھانے کے لیے) زمین کی حدیں تبدیل کرے۔ (۳) تیسرا وہ جو اپنے والدین پر لعنت کرے (۴) اور چوتھا وہ جو کسی بدعتی شخص کو جگہ دے۔''

اسی طرح درج ذیل واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین کی مشابہت سے بچنے کے لیے کسی شرکیہ مقام پر اللہ کے نام پر بھی جانور ذبح کرنا جائز نہیں:

ایک مرتبہ آپ ﷺ کے پاس ایک صحابی رضی اللہ عنہ آیا اور کہنے لگا کہ میں نے 'بوانہ' نامی مقام پر اونٹ ذبح کرنے کی منت مانی ہے (کیا میں اسے پورا کروں؟) آپ ﷺ نے فرمایا: هَلْ كَانَ فِيهَا وَثَنٌ مِنْ أَوْثَانِ الْجَاهِلِيَّةِ يُعْبَدُ؟ ''کیا دورِ جاہلیت میں وہاں کسی بت کی پوجا تو نہیں ہوا کرتی تھی؟'' اس نے کہا نہیں۔ پھر آپ ﷺ نے پوچھا: هَلْ كَانَ فِيهَا عِيدٌ مِنْ أَعْيَادِهِمْ؟ ''کیا وہاں مشرکین کے تہواروں (میلوں) میں سے کوئی تہوار تو منعقد نہیں ہوا کرتا تھا؟'' اس نے کہا: نہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''پھر اپنی نذر پوری کرو کیونکہ جس نذر میں اللہ کی نافرمانی کا عنصر پایا جائے اسے پورا کرنا جائز نہیں۔'' [سنن ابو داؤد (ح۳۳۱۳)]

تیسری فصل

تیسرا تعلق...... محتاج اور غنی کا!

اللہ کے ساتھ انسان کا تیسرا تعلق یہ ہے کہ انسان فقیر ومحتاج ہے جبکہ اللہ تعالیٰ غنی اور قادر ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ وَّمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ﴾ [فاطر۔ ۱۵ تا ۱۷]

”اے لوگو! تم سب اللہ کے محتاج ہو اور اللہ تعالیٰ بے نیاز اور خوبیوں والا ہے۔ اگر وہ چاہے تو تم سب کو فنا کر دے اور ایک نئی مخلوق پیدا کر دے اور یہ بات اللہ تعالیٰ کے لیے کچھ مشکل نہیں ہے۔“

انسان کو قدم قدم پر اللہ کی مدد کی ضرورت ہے اور انسانی زندگی کا کوئی گوشہ اور پہلو ایسا نہیں جہاں اللہ کی ضرورت نہ پڑے حتی کہ خود نبی اکرم ﷺ بھی جو صحیح معنوں میں انسان کامل تھے، وہ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت وعنایت کے اتنے طلبگار رہتے تھے کہ اللہ سے یہ دعا مانگا کرتے تھے:

((اَللّٰهُمَّ رَحْمَتَكَ اَرْجُوا فَلَا تَكِلْنِي اِلٰى نَفْسِي طَرْفَةَ عَيْنٍ وَاَصْلِحْ لِي شَاْنِي كُلَّهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ)) [ابو داؤد (ح ۵۰۹۰) موارد الظمان (ح ۲۳۷۰)]

”اے اللہ! میں تیری رحمت کا امیدوار ہوں پس تو ایک لمحے کے لیے بھی مجھے میرے نفس کے سپرد نہ کر۔ اور تو میرے تمام معاملات کی اصلاح فرما دے۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔“

انسان بیمار ہو، تنگدست ہو، پریشان ہو، مشکل کا شکار ہو یا رزق، مال اولاد اور دیگر دنیوی ضروریات کا طلبگار ہو...... ہر حالت میں صرف ایک ہی ہستی ایسی ہے جو اس کی مدد کر سکتی ہے اور وہ اللہ جل جلالہ کی ذات بابرکات ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی نے انسان کو

پیدا کیا ہے، وہی اسے نعمتوں سے نوازتا اور مصیبتوں کے ساتھ آزماتا ہے۔ وہ چاہے تو انسان کو کبھی مشکل کا شکار نہ ہونے دے اور اگر وہ چاہے تو انسان کو زندگی بھر امن اور چین نصیب نہ ہونے دے۔

معاذ اللہ! وہ ظالم نہیں مگر انسان جب اس کی بغاوت و نافرمانی اور ظلم و سرکشی کی راہ اختیار کرتا ہے تو وہ اسے اپنی قدرت و طاقت سے متنبہ کرنے اور اپنے عذاب سے مطلع کرنے کے لیے دنیا میں بھی اپنی پکڑ کی تھوڑی سی جھلک دکھا دیتا ہے تاکہ انسان یہ سمجھ لے کہ اس کا مالک حقیقی وہی ہے اور اس کی پکڑ بڑی سخت ہے۔

الحمد للہ! وہ سراپا عدل ہے، اس کی رحمت بڑی وسیع ہے، وہ اپنے ایمان والوں کو مزید ثواب سے نوازنے کے لیے ان کی آزمائش کرتا اور انہیں دنیوی مصائب سے دوچار بھی کرتا ہے تاکہ ان کا ایمان و یقین پختہ ہو، ان کی استقامت و ثابت قدمی میں اور مضبوطی آئے، وہ پلٹ پلٹ کر اللہ ہی کی طرف رجوع کریں، اس سے دعا و مناجات کریں، اس سے التجا و درخواست کریں، اسی کے آگے جھکیں، اسی سے معافی مانگیں، اس کے آگے جھولی پھیلائیں، اسی کی رضا طلب کریں، اسی کا حکم مانیں، اسی کی اطاعت و فرمانبرداری کریں۔

تمام نعمتیں اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہیں

یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور انعام و احسان ہے کہ اس نے ہمیں انسان بنا کر اشرف المخلوقات کا شرف بخشا، عقل و شعور سے نوازا، اور ساری کائنات کو ہماری خدمت اور ضرورت کے لیے بنایا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا﴾[البقرہ۔۲۹]

"وہی اللہ ہے جس نے تمہارے لیے زمین کی تمام چیزوں کو پیدا کیا ہے۔"

اللہ چاہتا تو ہمیں انسان کی بجائے حیوان بنا سکتا تھا اور اگر واقعی وہ ہمیں گائے، بھینس، بکری، مکھی، بلی، کتے، چوہے وغیرہ کی شکل میں پیدا فرما دیتا تو کس کی مجال تھی کہ وہ جانور بننے سے انکار کرتا......!

اللہ تعالیٰ نے ہمیں بغیر ہمارے مطالبہ کے انسان بنا دیا جو اس کا بہت بڑا احسان

ہے۔ پھر اس نے ہمیں بغیر مانگے ہاتھ، پاؤں، عقل، شعور، آنکھیں اور دیگر نعمتوں سے نوازا۔ ماں کے پیٹ میں رزق کا بندوبست کر دیا۔ دنیا میں جینے کے لیے وسائل سے نوازا، کمائی کے لیے صلاحیتیں عطا کیں، ترقی کے لیے مواقع فراہم کیے، دنیا جہان کی کوئی نعمت ایسی نہیں جو اس کی توفیق اور عنایت کے بغیر ہمیں مل گئی ہو۔ اور پھر اس نے نعمتیں بھی اتنی عطا کر دیں کہ ان کا نہ شمار ہے اور نہ حد و حساب۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَآتَاكُمْ مِنْ كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا إِنَّ الْإِنْسَانَ لَظَلُومٌ كَفَّارٌ﴾ [ابراھیم۔ ۳۴]

''اسی نے تمہیں منہ مانگی کل چیزوں میں سے دے ہی رکھا ہے اگر تم اللہ کے احسان گننا چاہو تو انہیں پورے گن بھی نہیں سکتے، یقیناً انسان بڑا ہی ناانصاف اور ناشکرا ہے۔''

﴿قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ جَعَلَ اللَّهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَنْ إِلَٰهٌ غَيْرُ اللَّهِ يَأْتِيكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُونَ فِيهِ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ۝ وَمِنْ رَحْمَتِهِ جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝ وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَائِيَ الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ ۝ وَنَزَعْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا فَقُلْنَا هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوا أَنَّ الْحَقَّ لِلَّهِ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ۝﴾ [القصص۔ ۷۲ تا ۷۵]

''پوچھیے کہ یہ بھی بتا دو کہ اگر اللہ تعالیٰ تم پر ہمیشہ قیامت تک دن ہی دن رکھے تو بھی سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی معبود ہے جو تمہارے پاس رات لے آئے، جس میں تم آرام حاصل کرو کیا تم دیکھ نہیں رہے؟ اسی نے تو تمہارے لیے اپنے فضل و کرم سے دن رات مقرر کر دیے ہیں کہ تم رات میں آرام کرو اور دن میں اس کی بھیجی ہوئی روزی تلاش کرو، یہ اس لیے کہ تم شکر ادا کرو۔ اور جس دن انہیں پکار کر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جنہیں تم میرے شریک خیال کرتے تھے وہ کہاں ہیں؟۔ اور ہم ہر امت میں سے ایک گواہ الگ کر لیں گے کہ اپنی دلیلیں پیش کرو پس اس وقت جان لیں گے کہ حق اللہ تعالیٰ کی ہی طرف سے ہے اور جو کچھ وہ جھوٹ بناتے تھے سب ان کے پاس سے کھو جائے گا۔''

اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ اس کے مال ودولت، اولاد اور کاروبار وغیرہ میں ترقی واضافہ، اس کی عزت وشہرت اور نیک نامی صرف اس کی ذہانت، محنت علم اور کوشش کا نتیجہ ہے تو وہ بہت بڑی غلط فہمی کا شکار ہے۔ کیونکہ جس عقل وذہانت، علم وشعور اور محنت وکوشش کے بل بوتے پر اس نے دنیا میں کچھ حاصل کیا وہ عقل وذہانت اور علم وشعور آخر اسے کس نے عطا کیا تھا......؟ جس محنت وکوشش کا وہ نام لیتا ہے اس کی توفیق کس نے اسے دی تھی......؟ اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو کیا اس سے عقل وذہانت چھین نہیں سکتے تھے......؟ کیا اسے معذور ومحتاج بنا کر محنت وکوشش سے روک نہیں سکتے تھے......؟

بلکہ ایسے لوگوں کی غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لیے ہر دور میں اللہ تعالیٰ نے ایسی بیسیوں مثالیں پیدا کر دیں۔ کسی کو انتہا درجہ کی عقل وذہانت دے کر پھر چھین لی اور وقت کے عقلا پھر احمق وپاگل کہلائے۔ کسی کو مال ودولت دے کر پھر کوڑی کوڑی کا محتاج بنا دیا۔ کسی کو شہرت ونیک نامی دے کر پھر رسوائے زمانہ بنا دیا۔ کسی کو تاج شاہی سے نواز کر پھر تختہ دار پر کھینچا اور رہتی دنیا تک نمونہ عبرت بنا دیا۔

اگر انسان اللہ کی توفیق وعنایت اور فضل وکرم کا انکار کرتا اور صرف اپنی ذہانت، محنت، تجربہ اور کوشش پر گھمنڈ کرتا ہے تو پھر وہ بتائے کہ 'ابوحکم' جیسے 'ابوجہل' کیسے بن گئے؟ فرعون وہامان جیسے اپنی بادشاہیاں کیوں نہ بچا سکے؟ قارون جیسے اپنے خزانوں کے ساتھ کیوں زمین میں دھنسا دیے گئے؟ آئندہ سطور میں بطور عبرت ایک واقعہ نقل کیا جاتا ہے:

﴿إِنَّ قَارُونَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوسَىٰ فَبَغَىٰ عَلَيْهِمْ وَآتَيْنَاهُ مِنَ الْكُنُوزِ مَا إِنَّ مَفَاتِحَهُ لَتَنُوءُ بِالْعُصْبَةِ أُولِي الْقُوَّةِ إِذْ قَالَ لَهُ قَوْمُهُ لَا تَفْرَحْ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِينَ وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَأَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ۝ قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ عِنْدِي أَوَلَمْ يَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ قَدْ أَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهِ مِنَ الْقُرُونِ مَنْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَأَكْثَرُ جَمْعًا وَلَا يُسْأَلُ عَنْ ذُنُوبِهِمُ الْمُجْرِمُونَ ۝ فَخَرَجَ عَلَىٰ قَوْمِهِ فِي زِينَتِهِ قَالَ الَّذِينَ يُرِيدُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا يَا لَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَا أُوتِيَ قَارُونُ إِنَّهُ لَذُو حَظٍّ

عَظِيمٍ ۝ وَقَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللَّهِ خَيْرٌ لِّمَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا وَلَا يُلَقَّاهَا إِلَّا الصَّابِرُونَ ۝ فَخَسَفْنَا بِهِ وَبِدَارِهِ الْأَرْضَ فَمَا كَانَ لَهُ مِن فِئَةٍ يَنصُرُونَهُ مِن دُونِ اللَّهِ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنتَصِرِينَ ۝ وَأَصْبَحَ الَّذِينَ تَمَنَّوْا مَكَانَهُ بِالْأَمْسِ يَقُولُونَ وَيْكَأَنَّ اللَّهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ لَوْلَا أَن مَّنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا وَيْكَأَنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ ۝ تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ۝ مَن جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ خَيْرٌ مِّنْهَا وَمَن جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِينَ عَمِلُوا السَّيِّئَاتِ إِلَّا مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ [القصص۔ ۷۶ تا ۸۴]

’’قارون تھا تو قوم موسیٰ سے، لیکن ان پر ظلم کرنے لگا تھا۔ ہم نے اسے (اس قدر) خزانے دے رکھے تھے کہ کئی کئی طاقت ور لوگ بہ مشکل اس کی کنجیاں اٹھا سکتے تھے، ایک بار اس کی قوم نے اس سے کہا کہ اترا مت! اللہ تعالیٰ اترانے (تکبر کرنے) والوں سے محبت نہیں رکھتا۔ اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تجھے دے رکھا ہے اس میں سے آخرت کے گھر کی تلاش بھی رکھ اور اپنے دنیوی حصے کو بھی نہ بھول اور جیسے کہ اللہ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے تو بھی سلوک کر اور ملک میں فساد کا خواہاں نہ ہو، یقین مان کہ اللہ مفسدوں کو ناپسند رکھتا ہے۔ قارون نے کہا یہ سب کچھ مجھے میری اپنی سمجھ کی بنا پر ہی دیا گیا ہے۔ کیا اسے اب تک یہ نہیں معلوم کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے بہت سے بستی والوں کو غارت کر دیا جو اس سے بہت زیادہ قوت والے اور بہت بڑی جمع پونجی والے تھے، اور گنہگاروں سے ان کے گناہوں کی باز پرس ایسے وقت نہیں کی جاتی۔ پس قارون پوری آزمائش کے ساتھ اپنی قوم کے مجمع میں نکلا، تو زندگانی دنیا کے متوالے کہنے لگے کاش کہ ہمیں بھی کسی طرح وہ مل جاتا جو قارون کو دیا گیا ہے یہ تو بڑا ہی قسمت کا دھنی ہے۔ ذی علم لوگ انہیں سمجھانے لگے کہ افسوس! بہتر چیز تو وہ ہے جو بطور ثواب انہیں ملے گی جو اللہ پر ایمان لائیں اور مطابق سنت عمل کریں یہ بات انہی کے دل میں ڈالی جاتی ہے جو صبر و سہار والے ہوں۔ (آخرکار) ہم نے اسے اس کے محل سمیت زمین میں دھنسا دیا اور اللہ کے سوا کوئی جماعت اس کی مدد

کے لیے تیار نہ ہوئی نہ وہ خود اپنے بچانے والوں میں سے ہو سکا۔ اور جو لوگ کل اس کے مرتبہ پر پہنچنے کی آرزو مندیاں کر رہے تھے وہ آج کہنے لگے کہ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ ہی اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہے روزی کشادہ کر دیتا ہے اور تنگ بھی؟ اگر اللہ تعالیٰ ہم پر فضل نہ کرتا تو ہمیں بھی دھنسا دیتا، کیا دیکھتے نہیں ہو کہ ناشکروں کو کبھی کامیابی نہیں ہوتی؟ آخرت کا یہ (بھلا) گھر ہم ان ہی کے لیے مقرر کر دیتے ہیں جو زمین میں اونچائی بڑائی اور فخر نہیں کرتے، نہ فساد کی چاہت رکھتے ہیں۔ پرہیز گاروں کے لیے نہایت ہی عمدہ انجام ہے۔ جو شخص نیکی لائے گا اسے اس سے بہتر ملے گا اور جو برائی لے کر آئے گا، تو ایسے بداعمالی کرنے والوں کو ان کے انہی اعمال کا بدلہ دیا جائے گا جو وہ کرتے تھے۔"

سب سے بڑی نعمت ایمان واسلام کی نعمت ہے

قرآن مجید میں ہے کہ

﴿فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ﴾[آل عمران ـ ۱۸۵]

"پس جو شخص آگ (جہنم) سے بچا لیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا تحقیق وہ کامیاب ہو گیا۔"

جہنم سے بچنے اور جنت میں داخل ہونے کی بنیاد ایمان واسلام ہے جس انسان کو ایمان واسلام کی یہ دولت مل گئی اس کو سب کچھ مل گیا اور جو اس دولت سے محروم رہا، اسے دنیا جہاں کی ساری نعمتیں میسر آ جائیں وہ پھر بھی خسارے میں ہے۔ ایمان واسلام کی دولت سے نوازنا اور کسی کے بس کی بات نہیں حتیٰ کی حضور ﷺ کی شدید خواہش تھی آپؐ کے چچا ابو طالب ایمان لے آئیں مگر وہ آخری دم تک ایمان نہ لائے اور علی ملة عبدالمطلب کہہ کر فوت ہوئے چنانچہ حضور ﷺ کی تسلی کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ فیصلہ سنایا کہ

﴿اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ﴾[القصص ۵۶]

"یقیناً آپ جس سے محبت کریں اس کو ہدایت نہیں دے سکتے لیکن اللہ جسے چاہے ہدایت دیتا ہے۔"

اللہ کے رسول ﷺ کے دور میں کچھ لوگ اسلام لائے تو آنحضرت ﷺ پر احسان

جتلانے لگے کہ دیکھو ہم نے بھی تمہارا دین قبول کرلیا ہے۔اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کی سرزنش کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿يَمُنُّونَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدَاكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ﴾[الحجرات۔۱۷]

''وہ اپنے مسلمان ہونے کا آپ پر احسان جتاتے ہیں۔آپ کہہ دیجیے کہ اپنے مسلمان ہونے کا احسان مجھ پر نہ رکھو، بلکہ دراصل اللہ کا تم پر یہ احسان ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی ہدایت کی اگر تم راست گو ہو۔''

انعامات کے ساتھ آزمائش بھی لازم ہے

جس طرح ہر انسان پر اللہ تعالیٰ کے انعامات بے حد وحساب ہیں اسی طرح ہر انسان پر اللہ کی طرف سے آزمائش اور مصائب ومشکلات بھی آتی ہیں،خواہ انسان مسلمان ہو یا کافر۔دین دار ہو یا بے دین۔مالدار ہو یا غریب۔فرق صرف یہ ہے کہ کسی پر تھوڑی مصیبت آتی ہے کسی پر زیادہ،کسی کو مال ودولت کے سلسلہ میں پریشانی آتی ہے کسی کو اولاد کے سلسلہ میں،کسی کو جسمانی وطبی حوالے سے آزمائش کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور کسی کو عزت وعصمت کے حوالے سے۔گویا آزمائش ومصائب کی نوعیت تو مختلف ہوسکتی ہے مگر یہ نہیں ہوسکتا کہ کسی کو زندگی بھر کوئی مصیبت،تنگی،پریشانی اور آزمائش کا سامنا ہی نہ کرنا پڑے،کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ اَلَّذِيْنَ اِذَا اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ

''اور ہم کسی نہ کسی طرح تمہاری آزمائش ضرور کریں گے،دشمن کے ڈر سے،بھوک پیاس سے مال وجان اور پھلوں کی کمی سے اور ان صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دیجئے جنہیں جب کبھی کوئی مصیبت آتی ہے تو کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہم تو خود اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ان پر ان کے رب کی رحمتیں اور نوازشیں ہیں اور یہ لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔''[البقرة۔۱۵۵،۱۵۷]

مصائب ومشکلات کیوں آتی ھیں ؟

یہ بات تو قرآن مجید نے واضح کر دی کہ ہر انسان مصائب ومشکلات کا شکار ہوتا ہے تاہم یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر یہ مصیبتیں اور مشکلات کیوں آتی ہیں؟ قرآن وسنت سے معلوم ہوتا ہے کہ مصائب ومشکلات کی دو وجوہات ہیں:

(۱) ایک تو یہ ہے کہ ہر انسان کی آزمائش کے لیے اللہ ایسا کرتے ہیں اور اس کی تقدیر میں لکھ دیتے ہیں کہ اسے فلاں فلاں مصائب سے دوچار کر کے آزمایا جائے گا جیسا کہ گزشتہ بالا آیت سے معلوم ہوتا ہے اسی طرح درج ذیل آیات میں بھی یہی بات اس انداز میں بیان فرمائی گئی ہے:

﴿أَحَسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِينَ﴾

''کیا لوگوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ان کے صرف اس دعوے پر کہ'' ہم ایمان لائے ہیں'' ہم انہیں بغیر آزمائے ہوئے یوں ہی چھوڑ دیں گے؟ ان سے اگلوں کو بھی ہم نے خوب جانچا تھا، یقیناً اللہ تعالیٰ انہیں بھی جان لے گا جو سچ کہتے ہیں اور انہیں بھی معلوم کر لے گا جو جھوٹے ہیں۔'' [العنکبوت۔۲،۳]

﴿وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَهُمْ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾[آل عمران۔۱۸۰]

''جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے کچھ دے رکھا ہے وہ اس میں اپنی کنجوسی کو اپنے لیے بہتر خیال نہ کریں بلکہ وہ ان کے لئے نہایت بدتر ہے، عنقریب قیامت والے دن یہ اپنی کنجوسی کی چیز کے طوق ڈالے جائیں گے۔''

(۲) مصائب ومشکلات نازل ہونے کی دوسری صورت خود انسان کے برے اعمال کا نتیجہ ہے۔ برے اعمال کی اصلی سزا تو مرنے کے بعد ملے گی کیونکہ دنیا دارالجزا نہیں ہے مگر بعض حکمتوں اور مصالح کے پیش نظر اللہ تعالیٰ لوگوں کو اس دنیا میں بھی مشکلات سے

دوچار کردیا کرتے ہیں جیسا کہ کہ درج ذیل آیات میں یہی بات بیان کی گئی ہے:

﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ﴾ [الروم-٤١]

''خشکی اور تری میں لوگوں کی بداعمالیوں کی وجہ سے فساد پھیل گیا ہے تا کہ انہیں ان کے بعض کرتوتوں کا مزہ اللہ چکھادے۔(بہت) ممکن ہے کہ وہ (بداعمالیوں سے) باز آجائیں۔''

﴿وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ﴾

''تمہیں جو کچھ مصیبتیں پہنچتی ہیں وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کی کرتوت کا بدلہ ہے اور وہ (اللہ) تو بہت سی باتوں سے درگزر فرمالیتا ہے۔'' [الشوریٰ-۳۰]

یعنی بہت تھوڑی برائیاں اور گناہ ایسے ہیں جن کی معمولی سزا دنیا میں دی جاتی ہے اور اکثر و بیشتر گناہوں سے اللہ تعالیٰ دنیا میں درگزر فرماتے ہیں ورنہ تمام گناہوں پر اگر اللہ تعالیٰ دنیا ہی میں پکڑ فرمانا شروع کردیں تو دنیا میں انسان و جنات ہی نہیں چرند و پرند اور دیگر مخلوقات کا بھی نام ونشان مٹ جائے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَوْ يُؤَاخِذُ اللَّهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوا مَا تَرَكَ عَلَىٰ ظَهْرِهَا مِنْ دَابَّةٍ﴾

''اگر اللہ تعالیٰ انسانوں کے اعمال (کرتوتوں) پر فوراً مؤاخذہ شروع فرمادیں تو زمین پر کوئی چلنے والا باقی نہ رہے۔'' [فاطر-٤٥]

یہی بات سورۃ نحل میں اس طرح بیان کی گئی ہے:

﴿وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللَّهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَابَّةٍ وَلَٰكِنْ يُؤَخِّرُهُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُسَمًّى فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ﴾

''اگر لوگوں کے گناہ (ظلم و معصیت) پر اللہ تعالیٰ ان کی گرفت کرتا تو روئے زمین پر ایک بھی جاندار باقی نہ رہتا لیکن اللہ تو انہیں ایک وقت مقرر تک مہلت دیتا ہے جب ان کا وہ وقت آجاتا ہے تو پھر وہ ایک ساعت (گھڑی) نہ پیچھے رہ سکتے ہیں اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں۔'' [النحل-٦١]

مصائب ومشکلات سے نجات کی راہیں

یہ بات تو طے ہے کہ ہر انسان کو اپنی زندگی میں گونا گوں مصائب، ومشکلات اور آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑے گا قطع نظر اس سے کہ وہ غریب ہے یا امیر۔ نیک ہے یا بد، بوڑھا ہے یا جوان، مرد ہے یا عورت ...... کیونکہ ہر انسان کی مشکلات اور پریشانیاں اس کے حالات، مزاج اور ماحول کی مناسبت سے پیدا ہوتی ہیں اور یہ بات تو قرآن وسنت کی تعلیمات کی روشنی میں ہم پڑھ چکے ہیں اب یہاں ہمیں اس پہلو پر غور کرنا ہے کہ مصائب ومشکلات اور پریشانیوں اور آزمائشوں سے نجات کیسے ممکن ہے؟

(۱)......برے اعمال سے توبہ کرنا

گزشتہ صفحات میں یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ بعض مصائب ومشکلات انسان کے برے اعمال کی وجہ سے نازل ہوتی ہیں، اس لیے لامحالہ بدی، برائی اور گناہ کے کاموں سے ہمیں اجتناب کرنا ہوگا۔ جو گناہ ہو چکے ان پر ندامت کا اظہار، اللہ سے معافی اور سچی توبہ کرنا ہوگی۔ اور ہمیشہ کے لیے گناہوں سے بچنے اور برائیوں سے دور رہنے کی حتی المقدور کوشش کرنا ہوگی۔ اگر ہم ایسا کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو یقیناً ہماری پریشانیوں اور مشکلات کا ایک بڑا حصہ ختم ہو جائے گا۔

برائی، بدی اور گناہ:

ہر وہ کام جس سے اللہ کی نافرمانی اور اس کے اتارے ہوئے دین کی خلاف ورزی ہوتی ہو وہ گناہ ہے، وہی بدی ہے، وہی شر اور وہی برائی ہے۔ خواہ وہ نماز روزہ ترک کردینے کی صورت میں ہو یا کسی پر ظلم وزیادتی کرنے کی شکل میں، خواہ وہ جھوٹ بولنے، غیبت کرنے یا گالیاں بکنے کی صورت میں ہو یا حرام کھانے، چوری کرنے، ڈاکہ ڈالنے، بدکاری اور قتل کرنے کی صورت میں۔

توبہ واستغفار:

گناہوں سے باز آنے اور اللہ سے صدق دل سے معافی مانگنے کو توبہ یا استغفار سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ انبیا ورسل کے علاوہ کوئی انسان ایسا نہیں جسے معصوم عن الخطا کہا جاسکتا

ہو حتیٰ کہ ایمان لانے کے بعد بھی انسان بشری تقاضوں کی وجہ سے گناہ، معصیت اور نافرمانی کا مرتکب ہوتا رہتا ہے، اسی لیے اہل ایمان کو مخاطب کرکے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ یُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ وَ یُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ﴾[التحریم:۷]

''اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ کے سامنے سچی خالص توبہ کرو۔ قریب ہے کہ تمھارا رب تمھارے گناہ دور کردے اور تمھیں ایسی جنتوں میں داخل کرے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔''

اس آیت میں جس سچی اور خالص توبہ کا حکم دیا گیا ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ

۱)......انسان جس گناہ سے توبہ کر رہا ہے اسے فوراً ترک کردے کیونکہ گناہ کو ترک کیے بغیر توبہ کا کوئی فائدہ نہیں۔

۲)......اور انسان یہ پختہ عزم کرلے کہ آئندہ اس گناہ کا ارتکاب نہیں کروں گا۔ اگر بالفرض زندگی میں پھر کبھی شیطان کے بہکانے سے وہ گناہ سرزد ہو جائے تو دوبارہ انسان سچی توبہ کرے اور شیطان کے خلاف اللہ کی مدد حاصل کرنے کی دعا مانگے۔

۳)......اسی طرح جس گناہ پر انسان توبہ کر رہا ہے اس پر اللہ کے حضور ندامت وشرمندگی کا اظہار کرے، کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((الندم توبة))[مسند احمد] ''اصل توبہ تو یہ ہے کہ انسان اپنے گناہ پر نادم ہو۔''

قرآن مجید میں اہل ایمان کی یہ خوبی بیان کی گئی ہے کہ گناہ ہو جانے کے بعد از راہ ندامت وہ اللہ کے حضور اپنے آپ کو پیش کرتے ہیں۔ اللہ سے معافی مانگتے ہیں اور پھر اس گناہ پر بدستور قائم نہیں رہتے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ الَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ وَ مَنْ یَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَ لَمْ یُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَ هُمْ یَعْلَمُوْنَ اُولٰٓىِٕكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا وَ نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ ﴾[آل عمران۔۱۳۵]

''ایسے لوگوں سے جب کوئی برا کام ہو جاتا ہے یا وہ اپنے آپ پر ظلم کر بیٹھتے ہیں تو

فوراً انہیں اللہ یاد آجاتا ہے اور وہ اپنے گناہوں کی معافی مانگنے لگتے ہیں، اللہ کے سوا اور کون ہے جو گناہ معاف کر سکے؟ اور وہ لوگ باوجود علم کے اپنے کئے (برے عملوں) پر اصرار نہیں کرتے، ایسے لوگوں کا صلہ اپنے پروردگار کے ہاں یہ ہے کہ وہ انہیں معاف کردے گا اور ایسے باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔''

۴)...... سچی توبہ واستغفار میں یہ بات بھی شامل ہے کہ اگر انسان کے گناہ کا تعلق حقوق العباد سے ہے تو جس شخص کے ساتھ اس نے ظلم وزیادتی اور برائی کی یا جس کا حق مارا ہے اس کا ازالہ کرے۔ اس کی شکل یہ بھی ہو سکتی ہے وہ مظلوم شخص سے معافی مانگے، اس کا حق واپس کرے، اور اگر وہ فوت ہو چکا ہے تو اس کے حق میں مغفرت کی دعا کرے۔

عیسائیوں کا تصور توبہ واستغفار

عیسائیوں کے ہاں توبہ واستغفار اور بخشش گناہ کے لیے یہ ضروری سمجھا جاتا ہے کہ گنہگار شخص چرچ کے پادری کے پاس جائے اور گناہ کی نوعیت کے مطابق پادری کو فیس ادا کرے اور پھر وہ پادری اسے اپنی طرف سے گناہ کی معافی کا سرٹیفکیٹ دے دے گا۔ دین عیسوی میں یہ تصور اس لیے پیدا ہوا کہ عیسائی علما نے خود کو اس حیثیت سے پیش کیا کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے تشریعی اختیارات دے رکھے ہیں اور ان کے وسیلے کے بغیر کسی شخص کو نہ گناہ کی معافی مل سکتی ہے اور نہ اللہ کی خوشنودی حاصل ہو سکتی ہے حالانکہ یہ تصور نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی لائی ہوئی کتاب میں تھا اور نہ کسی اور نبی کی تعلیمات میں۔

افسوس کہ آج قریب قریب یہی صورتحال مسلمانوں میں بھی پیدا ہو چکی ہے۔ بعض نام نہاد علماء اپنے سالانہ چندوں اور نذرانوں کے پیش نظر اپنے متبعین کو یہ سرٹیفکیٹ دیتے پھرتے ہیں کہ وہ ان کے گناہوں کو اللہ کی بارگاہ میں معاف کروالیں گے!

(۲)...... اللہ کے حضور دعائیں اور التجائیں

پچھلے صفحات میں ہم یہ بات پڑھ آئے ہیں کہ مصائب ومشکلات اللہ کے اذن وحکم سے انسانوں پر نازل ہوتی ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ کسی انسان کو کسی مصیبت میں مبتلا نہیں

کرنا چاہتے تو ساری مخلوق مل کر بھی اس انسان پر وہ مصیبت نہیں اتار سکتی۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کسی انسان کو مصیبت ومشقت میں مبتلا کرنا چاہیں تو پوری کائنات میں کوئی اسے روک نہیں سکتا۔ گویا نعمت ہو یا مصیبت اسے نازل کرنے یا اٹھالینے کا اختیار صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، لہذا انسان کے برے اعمال کی وجہ سے اس پر کوئی مصیبت آئے یا اس کی مزید آزمائش اور بلندی درجات کے لیے اس پر مشکل آن پڑے، ہر حال میں انسان کو اللہ کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ اسی کے آگے اپنی مشکل پیش کرنا ہوگی۔ اسی سے دعا، فریاد، عرض، التجا اور درخواست کرنا ہوگی۔ وہ رحمدل ہے، دل کی گہرائیوں سے نکلنے والی آہ بغیر کسی کے واسطے وسیلے کے سیدھی اس کے عرش تک پہنچتی ہے بشرطیکہ اسی کو پکارا جائے صرف اسی کو۔ اس کے ساتھ کسی اور کو حصہ دار (شریک) نہ بنایا جائے، کیونکہ اس سے اس کا وقار مجروح ہوتا اور اس کی عظمت، عزت اور قدرومنزلت پر حرف آتا ہے اور اس سے اس کی شان میں گستاخی ہوتی ہے کیونکہ وہ قادر مطلق ہے، وہی مختار کل ہے اور وہی صاحب امر ہے۔ اس نے اپنے برگزیدہ نبیوں اور رسولوں کو بھی یہی تعلیم دی کہ وہ اپنی مصیبتوں اور پریشانیوں میں صرف اسی کو پکاریں۔

حضرت آدم علیہ السلام لغزش کے مرتکب ہوئے اور جنت سے نکالے گئے تو انہوں نے سیدھا اسی رب کو پکارا جس نے انہیں جنت سے نکالا تھا۔ حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں جا پہنچے تو وہاں اپنی مدد کے لیے انہوں نے سیدھا اللہ کو پکارا۔ اسی طرح حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنی بیماری میں، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آگ کے الاؤ میں، حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی پریشانی میں، اگر کسی کو پکارا تو ایک اللہ وحدہ لاشریک ہی کو پکارا، اور اسی سے دعا اور فریاد کی۔ خود قرآن مجید میں بھی اس نے ہمیں یہی تعلیم دی ہے کہ ہم اپنی مصیبتوں اور مشکلات میں صرف اور صرف اسی کو پکاریں:

﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ﴾ [غافر۔ ٦٠]

"تمہارے رب نے کہا ہے کہ مجھے پکارو، میں تمہاری مراد پوری کروں گا۔ یقین مانو جو لوگ میری عبادت سے خودسری کرتے ہیں وہ عنقریب ذلیل وخوار ہو کر جہنم میں پہنچ جائیں گے۔"

واسطے وسیلے کی حقیقت

کسی نعمت کے مطالبے یا کسی مصیبت کے ٹالنے کے لیے براہ راست اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے پر تو کسی کو کوئی اختلاف نہیں لیکن اس بات پر اختلاف موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ کو پکارنے اور دعا کو مقبول بنانے کے لیے اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کسی وسیلے کو تلاش کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو اس کی نوعیت کیا ہے؟ یہ اختلاف قرآن مجید کی درج ذیل آیت کا مفہوم متعین کرنے کی وجہ سے پیدا ہوا:

﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾[المائدة۔۳۵]

''مسلمانو! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور اس کا قرب (وَسِیْلَة) تلاش کرو اور اس کی راہ میں جہاد کرو تا کہ تمہیں کامیابی حاصل ہو۔''

عربی زبان میں وَسِیْلَة یا تَوَسُّل کا لفظ تقرب اور رغبت کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس لیے مذکورہ آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرو۔ اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قرب صرف اسی صورت میں حاصل ہوسکتا ہے جب کہ ہم نیک عمل کریں۔ اور اس بات پر کسی کو اختلاف نہیں ہوسکتا کہ اللہ تعالیٰ کے تقرب کے لیے اس کے احکام پر عمل پیرا ہونا شرط اولین ہے اور وہی لوگ جنت کے مستحق قرار پائیں گے جو اعمال صالحہ انجام دیں گے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا﴾[النسآء۔۱۲۴]

''جو ایمان والا ہو مرد ہو یا عورت اور وہ نیک اعمال کرے یقیناً ایسے لوگ جنت میں جائیں گے اور کھجور کے شگاف کے برابر بھی ان کا حق نہ مارا جائے گا۔''

اردو زبان میں لفظ وسیلہ چونکہ دو چیزوں کے درمیانی واسطے کو کہا جاتا ہے اس لیے اردو دان طبقہ میں اس آیت وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ کا مفہوم کو متعین کرنے میں یہ غلط فہمی پیدا ہوئی کہ شاید اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور انسان کے درمیان کسی درمیانی واسطے کو تلاش کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور پھر خود ہی یہ فرض کرلیا گیا کہ اس درمیانی واسطے

سے مراد انبیاء، اولیاء اور بزرگانِ دین ہی ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ اپنی دعاؤں میں لوگوں نے یہ جملہ شامل کر لیا کہ ...... ''یا اللہ! تمام انبیا و اولیا کے صدقے (وسیلے) ہماری دعا قبول فرما'' ...... حالانکہ آیت مذکورہ میں لفظ وسیلہ سے یہ مراد نہیں ہے۔ اگر اس سے مراد یہی ہوتا تو قرآن مجید میں مذکور بے شمار انبیاء کی دعاؤں میں سے کم از کم کسی ایک نبی کی دعا تو ایسی ہونی چاہیے تھی جس میں انہوں نے اپنے سے پہلے نبیوں کا واسطہ دے کر دعا مانگی ہو مگر ایسا نہیں ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد ﷺ تک کسی بھی نبی و رسول نے اپنے سے پہلے نبیوں اور رسولوں میں سے کسی کا ایسا واسطہ دے کر دعا نہیں مانگی۔ اسی طرح صحابہ کرام اور تابعین عظام نے بھی کسی نبی، ولی، پیر شہید، زندہ یا فوت شدہ کا واسطہ دے کر دعا نہیں مانگی۔ اس سلسلہ میں اگرچہ بعض روایات پیش کی جاتی ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے کوئی ایک بھی محدثین کے اصولوں کے مطابق صحیح نہیں ہے۔

وسیلے کی جائز شکلیں

ہمارے ہاں وسیلے کا جو مفہوم رائج ہے اسے مدنظر رکھتے ہوئے اگر قرآن و حدیث کا مطالعہ کیا جائے تو درج ذیل صورتوں میں وسیلے کا جواز ملتا ہے:

أ)......اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کا وسیلہ:

قرآن مجید میں ہے:

﴿وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾[الاعراف۔۱۸۰]

''اور اچھے اچھے نام اللہ ہی کے لیے ہیں پس ان ناموں سے اللہ ہی کو موسوم کیا کرو اور ایسے لوگوں سے تعلق بھی نہ رکھو جو اس کے ناموں میں کج روی کرتے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کا وسیلہ دیتے ہوئے اسے پکارنے اور اس سے دعا مانگنے کے بعض نمونے اور مثالیں بھی قرآن مجید میں موجود ہیں مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ﴾[المؤمنون۔۱۱۸]

''اور آپ کہیے اے میرے رب! تو معاف کردے اور رحم کر اور تو سب رحم کرنے والوں سے بہتر رحم کرنے والا ہے۔''

اللہ تعالیٰ کی ایک صفت اور اسمائے حسنیٰ میں سے ایک اچھا نام خیر الراحمین ہے اس لیے اس صفت کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ سے اس طرح دعا کی جاسکتی ہے کہ...... یا اللہ! تو خیر الراحمین ہے اس لیے اپنی اس صفت کے وسیلے مجھ پر رحمت فرما......، دیگر اسماء وصفات کا بھی اسی طرح وسیلہ دیا جاسکتا ہے مثلاً یا رازق! مجھے رزق عطا کر۔ یا غفار! میری مغفرت فرما۔ یا شافی! مجھے شفا عطا فرما۔

۲)...... اعمالِ صالحہ کا وسیلہ

قرآن وحدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان اپنے ایمان اور نیک اعمال کا وسیلہ پیش کر کے اپنی نجات کا سوال کرسکتا ہے، ایمان کا وسیلہ پیش کرنے کی دلیل وہ آیت ہے جس میں ہے کہ چند نیک لوگوں کی اپنے ایمان کا وسیلہ دے کر یہ دعا مانگی:

﴿رَبَّنَا إِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُنَادِي لِلْإِيمَانِ أَنْ آمِنُوا بِرَبِّكُمْ فَآمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ﴾[آل عمران۔۱۹۳]

''اے ہمارے رب! ہم نے سنا کہ ایک منادی کرنے والا، بآواز بلند ایمان کی طرف بلا رہا ہے کہ لوگو! اپنے رب پر ایمان لاؤ، پس ہم ایمان لائے۔ یاالٰہی! اب تو ہمارے گناہ معاف فرما، اور ہماری برائیوں کو ہم سے دور کردے، اور ہماری موت نیکوں کے ساتھ کر۔''

اسی طرح اعمال صالحہ کو وسیلہ بنانے کی دلیل صحیح بخاری ومسلم کی وہ حدیث ہے جس میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

''تین آدمی کہیں جارہے تھے کہ اچانک بارش شروع ہوگئی، انہوں نے ایک پہاڑ کے غار میں جا کر پناہ لی۔ اتفاق سے پہاڑ کی ایک چٹان اوپر سے لڑھکی (اور اس نے اس غار کے منہ کو بند کردیا جس میں یہ تینوں پناہ لیے ہوئے تھے) اب انہوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ اپنے اپنے سب سے اچھے عمل کا جو تم نے کبھی کیا ہو، نام لے کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرو۔ اس پر ان میں سے ایک نے یہ دعا کی: ''اے

اللہ! میرے ماں باپ نہایت بوڑھے تھے، میں باہر لے جا کر اپنے مویشی چرایا کرتا تھا۔ پھر جب شام کو واپس آتا تو ان کا دودھ نکالتا اور برتن میں ڈال کر پہلے اپنے والدین کو پیش کرتا، جب میرے والدین پی چکتے تو پھر اپنی بیوی، اور بچوں کو پلایا کرتا تھا۔ اتفاق سے ایک رات واپسی میں دیر ہوگئی اور جب میں گھر لوٹا تو والدین سو چکے تھے۔ پھر میں نے پسند نہ کیا کہ انہیں جگاؤں، جبکہ بچے میرے قدموں میں بھوکے پڑے رو رہے تھے مگر میں برابر دودھ کا پیالہ لئے والدین کے سامنے اسی طرح کھڑا رہا یہاں تک کہ صبح ہوگئی۔ اے اللہ! اگر تیرے نزدیک بھی میں نے یہ کام صرف تیری رضا حاصل کرنے کے لیے کیا تھا، تو تو ہمارے لئے اس چٹان کو ہٹا کر اتنا راستہ تو بنا دے کہ ہم آسمان کو دیکھ سکیں"

آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں: چنانچہ وہ پتھر کچھ ہٹ گیا۔ پھر دوسرے شخص نے یہ دعا کی: "اے اللہ! تو خوب جانتا ہے کہ مجھے اپنے چچا کی ایک لڑکی سے اتنی زیادہ محبت تھی جتنی ایک مرد کو کسی عورت سے ہو سکتی ہے۔ اس لڑکی نے کہا تم مجھ سے اپنی خواہش اس وقت تک پوری نہیں کر سکتے جب تک مجھے سو اشرفی نہ دے دو۔ میں نے ان کے حاصل کرنے کی کوشش کی اور آخر اتنی اشرفی جمع کر لی۔ پھر جب میں اس کی دونوں رانوں کے درمیان بیٹھا تو وہ بولی: اللہ سے ڈر اور مہر کو ناجائز طریقے پر نہ توڑ۔ اس پر میں کھڑا ہو گیا اور میں نے اسے چھوڑ دیا۔ اب اگر تیرے نزدیک بھی میں نے یہ عمل تیری ہی رضا کے لیے کیا تھا تو تو ہمارے لے (نکلنے کا) راستہ بنا دے"

آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں: چنانچہ وہ پتھر دو تہائی حصہ ہٹ گیا۔ پھر تیسرے شخص نے دعا کی: "اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میں نے ایک مزدور سے ایک فرق جوار (یعنی تھوڑے سے جوار) پر کام کرایا تھا۔ جب میں نے اس کی مزدوری اسے دی تو اس نے لینے سے انکار کر دیا۔ میں نے اس جوار کو لے کر بو دیا (کھیتی جب کٹی تو اس میں اتنی جوار پیدا ہوئی کہ) اس سے میں نے ایک بیل اور ایک چرواہا خرید لیا، کچھ عرصہ بعد پھر اس نے آ کر مزدوری مانگی کہ خدا کے بندے مجھے میرا حق دے دے۔ میں نے کہا کہ اس بیل اور اس کے چرواہے کے پاس جاؤ کیونکہ یہ تمہارے ہی ملکیت

ہیں۔اس نے کہا مجھ سے مذاق کرتے ہو! میں نے کہا، میں مذاق نہیں کرتا، واقعی یہ تمہارے ہی ہیں۔(تو وہ انہیں لے کر چلتا بنا) تو اے اللہ! اگر تیرے نزدیک یہ کام میں نے صرف تیری رضا حاصل کرنے کے لیے کیا تھا تو تو یہاں ہمارے لیے (اس چٹان کو ہٹا کر) راستہ بنا دے''۔چنانچہ وہ غار پورا کھل گیا اور وہ تینوں شخص باہر آ گئے۔'' [بخاری: کتاب البیوع:باب اذااشتری شیئالغیرہ بغیراذنہ (ح۲۲۱۵)]

اسی طرح ایک صحابی عبداللہ بن علیین رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ ان کی طرف حجاج بن یوسف جیسے ظالم حکمران نے پیغام بھیجا کہ میرے دربار میں پہنچو (اس صحابی کو اپنی موت کا خطرہ لاحق ہوا چنانچہ) انہوں نے باوضو ہو کر دو رکعت نماز ادا کی اور یہ دعا مانگی:

''یا اللہ! بے شک تو جانتا ہے کہ میں نے کبھی زنا نہیں کیا، کبھی چوری نہیں کی، کبھی یتیم کا مال نہیں کھایا، کبھی پاکدامن پر تہمت نہیں لگائی۔یا اللہ! اگر میں اپنے دعوے میں سچا ہوں تو مجھے حجاج کے شر سے بچا لے۔'' [تاریخ بغداد (۴/۱۰) تاریخ فسوی (۲۳۱/۱) بحوالہ کتاب الدعا،ترجمہ از، راقم الحروف (ص۳۴۷) نعمانی کتبخانہ]

معلوم ہوا کہ اپنے نیک اعمال کا اس طرح وسیلہ پیش کر کے دعا کرنا جائز ہے۔

۳)......نیک زندہ شخص سے دعا کروانا

کسی نیک صالح شخص سے اپنے حق میں دعا کروانا بھی وسیلے کی ایک جائز شکل ہے اس لیے کہ بخاری و مسلم جیسی مستند کتب احادیث سے ثابت ہے کہ صحابہ کرام ایک دوسرے سے دعا کروالیا کرتے تھے مثلاً حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں ہے کہ جب بھی قحط سالی ہوتی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے بارش کی دعا کرواتے اور فرماتے:

((اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّنَا فَتَسْقِیْنَا وَاِنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَیْکَ بِعَمِّ نَبِیِّنَا فَاسْقِنَا...... قَالَ فَیُسْقَوْنَ)) [بخاری: کتاب الاستسقاء:باب سوال الناس الامام الاستسقاء اذا قحطوا (ح۱۰۱۰)]

''یا اللہ! پہلے ہم تیرے نبی کا (جب وہ زندہ ہم میں موجود تھے بارش کی دعا کے لیے) وسیلہ اختیار کرتے تھے اور تو ہمیں بارانِ رحمت سے سیراب فرماتا تھا اب (جبکہ نبیؐ ہمارے درمیان موجود نہیں ہیں تو) ہم تیرے نبیؐ کے چچا کو تیری بارگاہ میں وسیلہ

بناتے ہیں (یعنی ان سے دعا کرواتے ہیں) پس تو (ان کی دعا قبول فرما کر) ہم پر بارش نازل فرما۔ (راوی کا بیان ہے کہ) اس کے بعد بارش ہو جایا کرتی تھی۔''

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فوت شدگان کا واسطہ وسیلہ پیش کرنا جائز نہیں کیونکہ ایسا کرنا اگر جائز ہوتا تو صحابہ کرام نبی کی وفات کے بعد بھی حضور ﷺ ہی کا وسیلہ پیش کرتے مگر انہوں نے ایسا کبھی نہیں کیا بلکہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد اپنے میں سے ایک زندہ بزرگ صحابی یعنی حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے دعا کروائی، لہٰذا کسی زندہ نیک شخص سے اپنے حق میں دعا کروانا جائز ہے، مگر کسی فوت شدہ کا واسطہ دے کر دعا کرنا قرآن و حدیث سے ثابت نہیں۔

(۳)...... اللہ کی راہ میں صدقہ وخیرات

ہم یہ بتا چکے ہیں کہ مصائب ومشکلات کی ایک بڑی وجہ انسان کے برے اعمال ہیں۔ یہ برے اعمال انسان کو گنہگار بناتے ہیں اور گنہگار انسان سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں اور اپنے غضب کے اظہار کے طور پر دنیا میں بھی ایسے انسان کو آزمائشوں اور پریشانیوں میں مبتلا کرتے ہیں۔ اگر برے اعمال سے توبہ اور اللہ کے حضور دعا ومناجات کے علاوہ اس کی رضامندی کے حصول اور اپنے گناہوں کی معافی کی نیت سے صدقہ وخیرات دی جائے تو انسان سے بلائیں ٹلتیں اور مصیبتیں دور ہوتی ہیں۔ اس لیے کہ صدقہ وخیرات انسان کے گناہوں کو دھونے کا باعث ہیں جیسا کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((وَالصَّدَقَةُ تُطْفِئُ الْخَطِيئَةَ كَمَا يُطْفِئُ الْمَاءُ النَّارَ)) [ترمذی: کتاب الایمان: باب ماجاء فی حرمة الصلاة (٢٦١٦) ابن ماجه: کتاب الفتن (٣٩٧٣)]

''صدقہ گناہوں کو اس طرح مٹا دیتا ہے جس طرح پانی آگ کو بجھا دیتا ہے۔''

اسی طرح حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ الصَّدَقَةَ لَتُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ وَتَدْفَعُ مِيتَةَ السُّوءِ)) [ترمذی: کتاب الزکاة: باب ماجاء فی فضل الصدقة (ح ٦٦٤)]

''بلاشبہ صدقہ اللہ تعالیٰ کے غصے کو ٹھنڈا کرتا اور بری موت سے انسان کو بچاتا ہے۔''

صدقہ وخیرات سے جس طرح گناہ اور دنیوی مصائب دور ہوتے ہیں اسی طرح صدقہ آخرت میں جہنم کے عذاب سے بھی نجات دلاتا ہے اسی لیے آنحضرت ﷺ نے ایک موقع پر عورتوں سے فرمایا:

((تَصَدَّقْنَ فَإِنِّي أُرِيتُكُنَّ أَكْثَرَ أَهْلِ النَّارِ)) [بخاري: كتاب الحيض: باب ترك الحائض الصوم (ح ٣٠٤) مسلم: كتاب الايمان (ح ٨٠)]

''صدقہ کیا کرو کیونکہ مجھے دکھایا گیا ہے کہ جہنم کی اکثریت عورتوں پر مشتمل ہے۔''

صدقہ وخیرات کرنے سے اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل حاصل ہوتا ہے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

''ایک شخص جنگل میں جا رہا تھا کہ اچانک اس نے ایک بادل سے یہ آواز سنی کہ (کسی نے بادل سے کہا ہے کہ) ''فلاں آدمی کے باغ کو پانی پلاؤ'' چنانچہ وہ بادل ایک طرف چلنا شروع ہو گیا پھر اس نے ایک سنگلاخ زمین پر اپنا پانی برسایا، اور نالیوں میں سے ایک نالی میں اس بارش کا پانی جمع ہو گیا وہ آدمی اس پانی کے پیچھے پیچھے چلنے لگا اس نے (ایک جگہ) دیکھا کہ ایک شخص اپنے باغ میں کھڑا ہے اور اپنے بیلچے سے اس پانی کو (اپنے باغ میں) ادھر ادھر تقسیم کر رہا ہے۔ اس نے اس آدمی سے پوچھا: اللہ کے بندے تمہارا نام کیا ہے؟ اس نے اپنا نام بتایا اور یہ وہی نام تھا جو اس نے بادلوں سے سنا تھا۔ پھر اس دوسرے نے پوچھا: اے اللہ کے بندے تجھے میرا نام پوچھنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟ اس نے کہا کہ جس بادل سے یہ پانی برسا ہے اس سے میں نے ایک آواز سنی تھی کہ فلاں آدمی کے باغ کو پلاؤ تو وہ تمہارا ہی نام لیا گیا تھا لہٰذا تم مجھے بتاؤ کہ تم اپنے باغ کے حوالے سے کیا رویہ اپناتے ہو؟ (کہ تمہارے لیے اللہ کا خصوصی فضل نازل ہوتا ہے) اس نے کہا اگر تم پوچھنا ہی چاہتے ہو تو سنو، میرے اس باغ کی جو پیداوار ہوتی ہے، اسے میں تین حصوں میں تقسیم کرتا ہوں: ایک حصہ میں صدقہ کر دیتا ہوں، ایک حصہ اپنے اور اپنے اہل وعیال کے لیے استعمال میں لاتا ہوں اور ایک حصہ اسی باغ پر لگا دیتا ہوں۔'' [مسلم: كتاب الزهد: باب الصدقة ...... (ح ٢٩٨٤)]

(۴)...... مظلوم او رپریشان حال سے تعاون

اگر کسی مظلوم، تنگدست اور پریشان حال شخص سے بقدر استطاعت تعاون کیا جائے تو اس سے خود تعاون کرنے والے کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھی خصوصی تعاون فرماتے ہیں جیسا کہ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُؤْمِنٍ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ الدُّنْيَا نَفَّسَ اللهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَمَنْ يَسَّرَ عَلَى مُعْسِرٍ يَسَّرَ اللهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِماً سَتَرَهُ اللهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَاللهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ أَخِيهِ)) [مسلم: كتاب الذكر والدعاء: باب فضل الاجتماع على تلاوة القرآن وعلى الذكر (ح٢٦٩٩)]

''جس شخص نے کسی مسلمان کی دنیوی مشکلات میں سے ایک مشکل آسان کی اللہ تعالیٰ اس کی قیامت کی مشکلات میں سے ایک مشکل دور فرمادیں گے۔ اور جس شخص نے کسی تنگ دست پر آسانی کی اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس پر آسانی فرمائیں گے اور جس نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کی پردہ پوشی فرمائیں گے۔ جب تک کوئی آدمی اپنے بھائی کی مدد کررہا ہوتا ہے تب تک اللہ تعالیٰ اس کی مدد کررہے ہوتے ہیں۔''

(۵)...... صبر واستقامت اورنماز

اگر توبہ واستغفار، دعاومناجات اور صدقہ وخیرات وغیرہ کے باوجود کسی انسان کی پریشانیوں، دکھوں اور تکلیفوں میں کمی واقع نہ ہوتو پھر بھی انسان کو اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے صبر واستقامت سے کام لینا چاہیے اور اس سلسلہ میں ان لوگوں کی مثال اپنے سامنے رکھنی چاہیے جن کی مصیبتیں اور پریشانیاں اس سے بھی کہیں زیادہ ہیں۔ اس سے انسان میں یہ حوصلہ پیدا ہوتا ہے کہ چلو میری پریشانیاں فلاں فلاں لوگوں سے تو کم ہیں۔ لیکن اگر وہ اپنے سے کمتر اور بدحال لوگوں کی بجائے بہتر اور خوشحال لوگوں کی مثال سامنے رکھے گا تو اس سے اس کی زبان سے حرف شکایت نکلنے کا اندیشہ ہے۔

صبر واستقامت کے سلسلہ میں انسان کو انبیاء کی مثالوں کو بھی سامنے رکھنا چاہیے کہ کس طرح مشکل تر حالات میں بھی انبیا ورسل اللہ کے دین پر کاربند رہے اور اس کا پیغام لوگوں تک پہنچاتے رہے اور لوگوں کی طرف سے پیدا کی جانے والی رکاوٹوں اور تنگیوں پر صبر واستقامت کا پہاڑ بن کر کھڑے رہے۔ انہی انبیا کی مثال دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ﴾

"پس (اے پیغمبرؐ!) تم ایسا صبر کرو جیسا صبر عالی ہمت رسولوں نے کیا اور ان کے لیے (عذاب طلبی میں) جلدی نہ کرو" [الاحقاف۔۳۵]

اسی طرح ایمان والوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے صبر اور نماز کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ﴾ [البقرة۔۱۵۳]

"اے ایمان والو! صبر اور نماز کے ساتھ مدد چاہو۔"

نیز صبر کرنے والوں کو اجر عظیم اور جنت کی خوشخبری سنائی، جیسا کہ درج ذیل آیات سے معلوم ہوتا ہے:

﴿أُولَٰئِكَ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُم مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوا﴾ [القصص۔۵۴]

"یہ اپنے کیے ہوئے صبر کے بدلے دوہرا دوہرا اجر دیے جائیں گے۔"

﴿أُولَٰئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوا﴾ [الفرقان۔۷۵]

"یہی وہ لوگ ہیں جنھیں ان کے صبر کے بدلے جنت کے بلند وبالا خانے دیے جائیں گے"

﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُم بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ﴾

"اور ہم کسی نہ کسی طرح تمہاری آزمائش ضرور کریں گے، دشمن کے ڈر سے، بھوک پیاس سے مال وجان اور پھلوں کی کمی سے اور ان صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دیجیے جنہیں جب کبھی کوئی مصیبت آتی ہے تو کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہم تو خود اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ ان پر ان کے رب کی رحمتیں اور نوازشیں ہیں اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں" [البقرة۔۱۵۵-۱۵۷]

حافظ مبشر حسین ایک نوجوان عالم اور ہونہار قلم کار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں بہت تھوڑی عمر میں علم کا ایسا ذوق عطا فرمایا ہے کہ ان پر رشک آتا ہے۔ وہ فرقہ وارانہ تعصبات سے بالا ہو کر قرآن وسنت کے چشمۂ صافی سے خود کو سیراب کرتے اور پھر اس فیضانِ علم کو عام کرنے میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ موصوف پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ علوم اسلامیہ سے پی۔ ایچ۔ ڈی کے مراحل کی تکمیل کر رہے ہیں جبکہ دوسری طرف دینی موضوعات پر ان کی کئی تحقیقی کتابیں اب تک منظر عام پر آ چکی ہیں۔ ان کی زیر نظر کتاب ''اللہ اور انسان'' توحیدِ باری تعالیٰ کے حوالے سے بہت مفید کاوش ہے۔ انھوں نے اس کتاب میں اللہ تعالیٰ کا ایسا جامع تعارف پیش کیا ہے جو اس کی تمام صفات عالیہ اور اسمائے حسنیٰ کا نہ صرف مکمل احاطہ کرتا ہے بلکہ بندۂ مومن کے دل و دماغ کو بھی ایک عشقِ صادق سے سرشار کر دیتا ہے۔ علاوہ ازیں ایک عام انسان کا اپنے خالق و مالک کے ساتھ کیا تعلق ہونا چاہیے کہ جس سے اسے اپنے رب کی رضا اور اُخروی کامیابی حاصل ہو جائے، لائق مصنف نے اسے بھی قرآن وسنت کی روشنی میں بڑی خوش اسلوبی سے پیش کر دیا ہے۔ مختلف نظریاتِ باطلہ کا مناسب محاکمہ بھی اس کتاب میں پیش کیا گیا ہے۔

دورِ جدید میں انسان بہت مصروف ہو گیا ہے۔ اس کے پاس فرصت ہی نہیں کہ اپنی ذات اور ذاتی دلچسپیوں سے ہٹ کر کسی سنجیدہ موضوع پر سوچ وبچار کر سکے مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ مادی تعیشات اور وسائلِ لھو ولعب جس قدر بھی ہاتھ آتے چلے جائیں، انسان خود کو سکون سے محروم پاتا ہے جب تک کہ اسے روحانی تسکین کا کوئی ذریعہ نہ مل جائے۔ اگرچہ روحانی تسکین کے لیے لوگوں نے بہت سے خودساختہ طریقے جاری کر رکھے ہیں، مگر روحانیت کا صحیح اسلامی تصور کیا ہے؟ اس کتاب کے مطالعہ سے وہ بخوبی عیاں ہو جاتا ہے۔ زیر نظر کتاب اپنے موضوع کے لحاظ سے بہت وسیع وعریض افق کی حامل ہے مگر اپنے حجم کے لحاظ سے نہایت مناسب ہے۔ اندازِ تحریر سلجھا ہوا ہے اور عنوانات سلیقے سے منتخب کیے گئے ہیں جس کی وجہ سے کتاب کی دل چسپی اور اثر انگیزی کئی گنا بڑھ گئی ہے۔ ہماری دعا ہے کہ مؤلف کی یہ کتاب بھی ان کی سابقہ تصانیف کی طرح قبول عام حاصل کرے۔ آمین!

[حافظ محمد ادریس ﷾ ڈائریکٹر ادارہ معارفِ اسلامی منصورہ، لاہور]

قرآن حدیث اور فکرِ سلف کی ترجمان